ہفت روزہ
۲۰ اپریل ۱۹۹۲
ندائے خلافت
لاہور

اھلاً وسھلاً مرحبا
تنظیم اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر مدیر کا سپاس نامہ

"تحریک پاکستان اور خالصہ ستیا"
پروفیسر مرزا محمد منور کی تحقیق جسے سمجھنا اور پلّے باندھنا وقت کی اہم ضرورت ہے

دور اب یہ نہیں، ہم تو صراطِ مستقیم کے مسافر ہیں!
ایک الزامی تحریر کا سنجیدہ اور قابل توجّہ جواب

اگر یہی "نارمیلسی" ہے تو پھر "انارکی" کیا ہوتی ہے؟.... حکمرانوں کو اپنی لفاظی کی ساحری کے ذریعے قوم کو سلانے کی بجائے اسے درپیش چیلنجوں کے مقابلے میں کھڑا ہونے کے لئے تیار کرنا چاہیے۔

صدر صاحب کی نوید..... حالات نارمل؟

موقر روزنامے "نوائے وقت" کا اداریہ

نوائے وقت (۱۱ اپریل ۱۹۹۲ء) کا یہ اداریہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مدیر اعلیٰ جناب مجید نظامی نے خود اسے سپرد قلم کیا ہے جنہیں موجودہ حکومت کے قریبی دوستوں میں نہ بھی شمار کیا جائے تو مخالفین اور معاندین میں بہر حال وہ شامل نہیں۔ صدر مملکت کے اعلان "سب اچھا ہے" پر ان کا ردعمل مختصر لیکن بہت جامع ہے اور اسی لئے نذر قارئین کیا جا رہا ہے...(مدیر)

صدر مملکت غلام اسحاق خاں نے لاہور میں ایک شادی کی تقریب میں اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ "ملک کی صورتحال اطمینان بخش ہے۔ حالات نارمل انداز میں چل رہے ہیں۔ آئندہ ایام میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا۔ میرے اور وزیر اعظم کے درمیان اختلافات نہیں ہیں اور ہم اس وقت بھی اکٹھے بیٹھے ہیں۔" ملکی حالات پر صدر صاحب کا یہ خوش کن تبصرہ کسی بڑی ستم ظریفی سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ ہر محب وطن پاکستانی کی خواہش تو ضرور ہے کہ حالات نارمل انداز میں چلنے چاہئیں لیکن عملی طور پر معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اگر یہی "نارمیلسی" ہے تو پھر "انارکی" کیا ہوتی ہے؟

صدر صاحب کا یہ بیان لاہور میں پاک فوج کے بعض افسروں اور پولیس کے درمیان سنگین تصادم کے اگلے ہی روز سامنے آیا۔ سندھ میں ایک گاؤں پر ڈاکوؤں کا حملہ، تیز گام پر راکٹوں سے فائرنگ، سوئی گیس، پانی اور تیل کی پائپ لائنوں کی تباہی، اغوا، قتل اور ڈکیتی کی دیگر وارداتیں، مذہبی عصبیت، لسانی منافرت اور اس کے نتیجے میں خونریزی کا کھیل، اقتدار کے اندر موجود گروپوں کی باہمی کشاکش، حکومت اور اپوزیشن کے درمیان مسلسل محاذ آرائی، غیر ملکی تخریب کاروں اور دہشت گردوں کے لئے کھلی چھٹی، مہنگائی اور بیروزگاری کی پریشانی، کوآپریٹو اداروں کی لوٹ کھسوٹ، قومی بینکوں کے قرضوں میں خورد برد اور انکی معافی، ٹیکس چوری، کرپشن، لوڈشیڈنگ کا عذاب، یہ سب کچھ اگر نارمل ہے تو پھر کوئی بتائے کہ پاگل پن کسے کہتے ہیں!

اسی طرح ملک کو خارجی خطرات کا دباؤ بھی درپیش ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے، بعض عناصر دو مرتبہ کنٹرول لائن پار کرنے کی کوشش کر چکے ہیں اور اب خود مختار کشمیر کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ افغانستان کا مسئلہ لاینحل پڑا ہے، ہماری سرزمین پر بدستور چالیس لاکھ افغان مہاجر آباد ہیں، ایٹمی مسئلے اور فنڈا مینٹلزم کی آڑ میں امریکہ سخت پریشان کر رہا ہے، اس نے اپنی امداد بند کر دی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ عراق اور لیبیا سے فارغ ہو کر پاکستان کا بھی اسی طرح ناطقہ بند کرنے کی کوشش کی جائے۔ حکومت اگرچہ خود انحصاری کا نعرہ لگا رہی ہے لیکن معیشت کی حالت پتلی اور دگرگوں ہے۔ بجٹ کا خسارہ ۸۰ ارب تک پہنچ رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ نارمل نہیں، سخت ابنارمل ہے، سنگین ہے اور پریشان کن ہے اور اس صورتحال میں حکمرانوں کو اپنی لفاظی کی ساحری کے ذریعے قوم کو سلانے کی بجائے اسے درپیش چیلنجوں کے مقابلے میں کھڑا ہونے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ حالات پر خوش کن، غیر حقیقی تبصرہ کرنے کی بجائے کوشش کرنی چاہئے کہ ملک میں جمہوری پارلیمانی اسلامی سسٹم کو مضبوط و مستحکم کیا جائے۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال ٹھیک کی جائے تاکہ ہر شہری کو جان و مال کے تحفظ کا احساس ہو سکے اور حکومت کی صنعتکاری کی پالیسی کے مطابق سرمایہ کار میدان عمل میں اترنے کی ہمت کر سکے۔ برسر اقتدار گروپوں کو باہمی کھینچا تانی ختم کر کے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے اور فرائض منصبی کی ادائیگی کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تعلقات کار قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اپوزیشن "لیڈر" کے سر پر ریفرنسز کی لٹکی ہوئی تلوار اور اس کے میاں کے خلاف جیل میں ایسا مقدمہ جس میں اصل نامزد ملزم "حوالات" سے بھی باہر آزاد پھر رہا ہے۔ ایسے "غیر سیاسی مسائل" پر بھی فوری فیصلہ ضروری ہے۔ تاکہ سیاسی بے یقینی کا خاتمہ ہو سکے۔

صدر صاحب نے اپنے اور وزیر اعظم کے حوالے سے اختلاف نہ ہونے کی بات کی ہے تو لوگوں کو دونوں کے درمیان قومی معاملات میں یک رنگی اور عملی تال میل نظر بھی آنا چاہئے۔ ○○

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۱۲۔ ۱۳
۲۰ر اپریل ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ـــــ ۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ـــــ ۱۲ر 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ ـــــ ۱۷ر 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ـــــ ۲۰ر 〃 〃

افتتاحیہ

اھلاً و سھلاً مرحبا

تنظیم اسلامی پاکستان کے ۱۷ویں سالانہ اجتماع کے موقع پر دور و نزدیک سے کھنچے چلے آنے والے ساتھیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے ہم محض کوئی رسم نہیں نبھا رہے' فی الحقیقت اپنے ان جذبات کو زبان دینے پر مجبور ہوگئے ہیں جو اظہار کے لئے اڈنے لگے ہیں۔ نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے۔ اگرچہ یہاں نہ کوئی مہمان ہے نہ میزبان' کہ سب ایک مقصد کے بلاوے پر آئے ہیں تاہم چشم و دل فرش راہ کردینے کو جی چاہتا ہے ان قدموں کے نیچے جو اس منزل کی طرف اٹھے جس کی طلب نے ہمیں ایک لڑی میں پرو دیا ہے' ایک خاندان کی شکل دے دی ہے۔ تو گویا آنے والے اپنے گھر ہی تو آئے ہیں۔ اہلا و سہلا مرحبا۔

کل شکر و سپاس کا سزا وار ہے وہ رب ذوالجلال و الاکرام جس نے پہلے تو ہمیں مسلمان گھروں میں پیدا کرکے تلاش حق کی اس مشقت سے بچالیا جس میں ہم نہ جانے کہاں سے کہاں جانکلتے' عذاب مول لیتے یا ثواب کماتے' سلامتی کی راہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوتے یا تاریک راہوں میں مارے جاتے اور آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اللہ کے فرمانبردار بندوں میں ہمارا شمار ہوتا یا اس بھیڑ میں جو شیطان کے بہکاوے میں آکر ٹامک ٹوئیاں مارتی پھرتی ہے۔ اور اس نعمت پر تو ہمارا ہر بن مو ترانہ حمد گا رہا ہے کہ ہمیں دین حق کے علم و شعور سے کم از کم اس حد تک تو سرفراز فرما دیا گیا جو دینی ذمہ داریوں کی آگہی کے لئے ضروری تھی۔ جو اس کا باعث بنا اسے دعا دیجئے' اس کا بھی شکریہ واجب ہے کہ جو بندوں کا شکر کرنا نہیں جانتا اسے اللہ بھی اپنے شکر کا سلیقہ عطا نہیں فرماتا۔ ان دینی ذمہ داریوں کی آگہی سے محروم رہ کر ہمارے کتنے ہی بھائی لمبی تان کر سوتے ہیں اور یہی آگہی ہماری راتوں کو کشمکش کی نذر کردیتی ہے۔ کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی۔ مبارک ہیں وہ دل جن کے نہاں خانوں میں اس آگہی نے نقب لگائی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم کچھ کم ہے کہ اس نے ہمیں اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی ضرورت کا احساس بھی دلایا۔ انفرادی ذمہ داریوں کا حق ادا کرنے کے لئے اپنے فرعون بے ساماں نفس سے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے' عائلی سطح پر یہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے ذہنی یکسوئی اور دلی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سب کے لئے اگرچہ تن تنہا میدان میں اترنا پڑتا ہے تاہم اگر دوستوں کی طرف سے حوصلہ افزائی میسر ہو تو راستے کی صعوبتیں کچھ کم ہوجاتی ہیں لیکن اجتماعی ذمہ داری سے انصاف کرنا یعنی اقامت دین اور تکبیر رب کی جدوجہد کو مقصد زیست بنانا تو شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے اور اس میں تو جماعت کے سہارے کے بغیر دو گام بھی چلنا محال ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس شخص کا احسان بھی مانیں جس نے "من انصاری الی اللہ" کا آوازہ بلند کرکے اپنے اعوان و انصار کی ایک جمعیت فراہم کردی ہے جس کا حصہ بن کر ہم اپنی کوششوں کی نارسائی کا مداوا کرسکتے ہیں' اپنی قوت کار کو نتیجہ خیز بنا سکتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں پر جی ہار کر بیٹھ رہنے کی بجائے ساتھیوں کی استقامت سے ولولہ تازہ مستعار لے سکتے ہیں۔

اس اعزاز پر بھی انتہائی فروتنی کے ساتھ اپنے بے نیاز رب کی خدمت میں ہدیہ نیاز پیش کیجئے کہ آپ ایک ایسی جماعت کے ہم سفر بنے ہیں جو ایک صاف ہدف مقرر کرکے جتنی کچھ بڑھی' اسی کی طرف بڑھی ہے۔ اس کا جو قدم اٹھا' جانب منزل اٹھا۔ پینترے بدلنے سے اسے اللہ تعالیٰ نے آج تک پوری طرح بچائے رکھا ہے جو کامیابی کے لالچ میں یا ناکامی کے خوف سے دینی جماعتوں کو بھی بے اصولی کی ڈگر پر لے آتے رہے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ممکن ہوا کہ آپ کی جماعت کے پیش نظر دنیا کی کامرانیاں نہیں' آخرت کی سرخروئی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی کتاب ہدایت کے کھونٹے سے باندھ کر رکھا ہے اور لاریب جو لوگ رہنمائی کے اس سرچشمے سے فیض حاصل کرنے کو زندگی کا وظیفہ بنالیں وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ اپنے رفقائے کار کی قلت و کثرت سے بے نیاز یہ جماعت شماتت ہمسایہ کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کررہی ہے کہ اسے تو اپنا اجر اپنے اللہ سے لینا ہے' کسی حکومت سے نہیں' عوام سے بھی نہیں۔ نام نہاد روشن خیالی اور مصنوعی آزادی فکر و نظر سے معنون اس زمانے میں آپ کی تنظیم اسلامی نے

(باقی صفحہ ۶ پر)

الہدیٰ

(سورۃ البقرہ آیت نمبر۸۹-۹۰)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جب آئی ان کے پاس ایک کتاب اللہ کی طرف سے رب کے پاس سے' جو تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے ' اور وہ پہلے سے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے ' تو جب آئی ان کے پاس وہ چیز جس کو وہ جانتے پہچانتے ہوئے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کردیا ' پس اللہ کی لعنت ہے ان منکروں پر○

(کہ یہ امر واقعہ ہے کہ یہود کو نبی آخر الزمانؐ کی بعثت کا شدت سے انتظار تھا ۔ چنانچہ یہود کے وہ قبائل جو مدینہ میں آباد تھے' جب مشرکین عرب کے ہاتھوں مغلوب ہوتے تو دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں نبی آخر الزمان اور اس کتاب کے طفیل جو ان پر نازل ہوگی ' کافروں پر غلبہ عطا فرما ۔ انہیں یقین تھا کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے اور ہم جب ان کے ساتھ ہو کر مشرکین عرب کا مقابلہ کریں گے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی ۔ لیکن یہود کی بدبختی اور محرومی کا اندازہ کیجئے کہ جب وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی آخری کتاب کے ساتھ تشریف لے آئے تو انہوں نے آپؐ کو خوب اچھی طرح جاننے پہچاننے کے باوجود آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کردیا ۔ اپنے اس حد درجہ مذموم طرز عمل کے باعث وہ بجا طور پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار کے مستحق قرار پائے ۔ ان کے اس طرز عمل کا سبب یہ تھا کہ وہ یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ آخری نبی بھی ہماری ہی نسل یعنی بنی اسرائیل میں سے ہوگا کہ کم و بیش گذشتہ دو ہزار برس سے دنیا میں جو نبی اور رسول آئے وہ سب کے سب بنی اسرائیل ہی میں مبعوث ہوئے تھے ' لیکن ان کی توقع کے یکسر خلاف نبی آخر الزمان کی بعثت جب حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی نسل کی دوسری شاخ یعنی بنو اسماعیل میں ہوئی تو وہ حسد اور تعصب کی آگ میں جل بھن کر رہ گئے اور یہی چیز ان کے لئے قبول حق کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی)

کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ وہ انکار کررہے ہیں اس چیز کا جو اللہ نے نازل فرمائی ہے ' محض اس ضد کی بنیاد پر کہ اللہ نازل کرے اپنا فضل جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے ' پس وہ لوٹے اللہ کا غضب در در غضب لے کر ' اور منکروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے○

(کہ محض یہ بات کہ جو درجہ فضیلت اس سے قبل انہیں حاصل تھا اب اللہ نے کسی اور کو عطا فرمایا ' انہیں اگر اس درجے ناگوار گزری ہے کہ وہ حق کو پہچاننے کے باوجود اسے قبول کرنے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں ' تو اس طرز عمل کا تمام تر نقصان خود انہی کو اٹھانا ہوگا ۔ حسد کی آگ اگر انہیں جہنم کی آگ کا ایندھن بنانے کا سبب بن گئی تو یہ سراسر گھاٹے اور خسارے کا سودا ہوگا ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے شدید ترین غضب کا نشانہ بنیں گے اور ایک انتہائی رسوا کن عذاب ایسے لوگوں کا مقدر ٹھہرے گا!)

جنگجویانہ تقریروں سے خدمت اسلام نہیں ہوگی

عالم اسلام کے لئے جذباتی سیاست کے نقصانات

کشمیر کا تصفیہ مذاکرات کی میز پر ہونا ہے

عبدالکریم عابد

ہمارے ایک دوست حیدر آباد دکن میں "اسلامک سروس آف انڈیا" کے نام سے ایک ادارہ چلاتے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں پاکستان کا دورہ کیا۔ لاہور میں منصورہ میں قیام کیا' کراچی میں بھی دینی نقطہ نظر کے نمایاں لوگوں سے ان کی بات چیت رہی اور بات چیت کی ہر محفل کے رنگ کے بارے میں انہوں نے یہ شکایت کی کہ پاکستان کے اسلامی عناصر کی سیاست اسلامی نہیں رہی' بدترین قسم کی فرقہ پرستی کی مظہر ہوگئی ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ بھارتی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے' کشمیر میں انسانی عزو شرف کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور جبر کی بھیانک حکمرانی کا دور دورہ ہے تاہم اس منظر کی بنا پر "دھوتی اور پاجامے" کے جھگڑے کو مزید آگے نہیں بڑھانا چاہیے' یہ نہ پاکستان کے مفاد میں ہوگا نہ برصغیر کے۔

دکن کے ہمارے دوست' جناب وحید الدین سلیم کی ان سب باتوں پر پاکستان کے اسلام پسند جو چاہیں اظہار خیال کریں لیکن یہ ملحوظ رکھیں کہ اسلام کا مسلک فرقہ ورانہ جنون و تعصب کا مسلک نہیں بلکہ ایک دعوتی اور تبلیغی مسلک ہے۔ ان کے ذمے "مسلمان قوم" کے حقوق و مفادات ہی نہیں' یہ بھی ہے کہ وہ ہندو دل و دماغ کو اس طرح متاثر کریں کہ ان کے دل و دماغ اسلام کے لئے کھل سکیں۔ دوسری بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جنگجویانہ تقریروں سے اور بڑھکیں مارنے سے نہ پاکستان کی خدمت ہوگی نہ اسلام کی۔ ہمارے دوست نے کہا کہ میں نے پاکستان کے اسلامی لیڈروں کی تقریریں سنی ہیں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے حیدر آباد دکن کے وہ قاسم رضوی زندہ ہوگئے ہیں جو دہلی کے لال قلعے پر جھنڈا لہرانے کے عزم کا اظہار کرتے تھے۔ ان کی اس گرم گفتاری نے سقوط حیدر آباد کا دردناک منظر دکھایا ورنہ کوئی تصفیہ بھی ہوسکتا تھا۔ پھر سقوط ڈھاکہ کے واقعات بھی آنکھوں میں پھر جاتے ہیں جن سے پہلے بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ ہم دہلی جاکر شوکت اسلام کا جشن منائیں گے اور ایک ہزار سال تک بھارت سے لڑیں گے لیکن اس طرح کی بڑ ہانکنے کا نتیجہ تاریخ میں مسلمانوں کی ایک بدترین ذلت اور شکست کی صورت میں نکلا۔

جناب وحیدالدین سلیم نے یہ بھی بتایا کہ یہ سب کچھ ان کے محض ذاتی تاثرات نہیں بلکہ ہندوستان کے اسلامی اور دینی حلقوں کی اس مشترکہ تشویش پر مشتمل ہیں کہ پاکستان میں حالات کو جانچے پرکھے اور سوچے سمجھے بغیر جذباتی نعرہ بازی بہت ہورہی ہے اور خدانخواستہ اس جذباتیت کے نتیجہ میں پاکستان کو کچھ ہوگیا تو ہندوستان کا مسلمان جو پہلے ہی کافی ٹوٹ پھوٹ چکا ہے مزید ایسے جذباتی صدمے کا شکار ہوگا کہ اس کا برداشت کرنا اس کے لئے محال ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں پاکستان کے داخلی حالات کے بارے میں ہر روز ایک نئی تشویش انگیز اطلاع ملتی ہے اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کی خواہش ہے کہ پاکستانی مسلمان اپنی داخلی صورت حال کی اصلاح پر متوجہ ہوں اور کسی ایسی مہم بازی میں نہ پڑیں جو ان کے وجود کے لئے خطرہ ہو۔

جناب وحیدالدین نے جس نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے وہ ایسا نہیں جو خود پاکستان میں مفقود ہو۔ اس نقطہ نظر کے حامل ہمارے ملک میں بہت ہیں لیکن بدقسمتی سے فضا اس طرح کی ہوگئی ہے کہ اظہار خیال سے انہیں ڈر لگتا ہے اور مجھے یہ اعتراف ہے کہ ان ڈرپوک لوگوں میں سے ایک میں خود بھی ہوں مگر وحیدالدین صاحب کے انتباہ نے مجھے کچھ جرات دکھانے پر آمادہ کیا ہے اور میں زعمائے قوم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی جنگ و جدل کے نعرے ہمارے لئے سود مند ہیں؟۔

ہندوستان کے رہنما جنگ کے خواہش کرسکتے ہیں اور شاید وہ اس کے لئے موقع کی تلاش میں بھی ہوں کہ امریکہ کی آشیر واد مل جائے تو پاکستان پر ہلہ بول دیں لیکن ہمارا قومی و ملی اور اسلامی مفاد جنگ کے حالات برپا کرنے میں نہیں' جنگ کو ٹالنے میں ہے خواہ اس کے لئے جناب ضیاء الحق کی طرح کرکٹ ڈپلومیسی اختیار کرنی پڑے یا کچھ اور لیکن بہرطور جنگ کو نزدیک نہیں آنے دینا چاہیے اور اس کے امکانات کو ختم کرنا چاہیے۔

جہاں تک کشمیر کے مسئلہ کا تعلق ہے' یہ مسئلہ بین الاقوامی سطح پر پوری طرح نمایاں ہوکر سامنے آگیا ہے۔ بھارتی دانشور بھی تسلیم کرتے

ہیں کہ اب کشمیر پر بھارت کا کوئی استحقاق نہیں رہا اور کشمیر اس کے لئے عالمی رسوائی کا باعث بن رہا ہے لیکن خوانخواستہ پاک بھارت جنگ ہوتی ہے تو کشمیر کی پوری تحریک آزادی غتر بود ہوجائے گی۔ اگر ہم جنگ کے جال میں اپنے آپ کو پھنسانے سے محفوظ رکھیں تو بین الاقوامی طور پر بھارت کو کشمیر کا کوئی تصفیہ کرنا ہوگا۔ کانگریسی حکومت یہ تصفیہ میدان جنگ میں چاہ سکتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوسکے گا اور نہ ہونا چاہیے۔ یہ تصفیہ مذاکرات کی میز پر ہی ہونا ہے اور اس میز کو سجانے کا اہتمام امریکہ اور یورپ خود کرینگے۔

تاہم یہ سمجھنا خوش فہمی ہوگی کہ اس میز پر ہمارے لئے خود بخود سب اچھا رہے گا۔ مذاکرات کی اس میز پر فتح حاصل کرنے کے لئے بدقسمتی سے کوئی تیاری نہیں کی گئی ہے اور جو نعرہ بازی ہو رہی ہے' وہ مذاکرات کی میز پر بے سود ہوگی اس لئے پاکستانی رہنماؤں کو یہ نعرہ بازی چھوڑ کر اس دو طرفہ یا سہ طرفہ مذاکرات کی فکر کرنی چاہیے جو آج نہیں تو کل کشمیر پر ضرور ہونے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اس میز پر پیش کرنے کے لئے اپنے موقف کے دلائل و براہین تیار کریں اور اسے ابھی سے دنیا میں عام کریں تاکہ عالمی رائے عامہ کی تائید آپ کو حاصل ہوسکے اور یہ نہ وہ کہ کشمیر کی آزادی کے مقدمے میں آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مومن کا بھروسہ تلوار پر نہیں ہوتا اور تلوار جب ایمان اور کردار کے تحت ہو تبھی کامیاب رہتی ہے ورنہ اس سے اپنا ہی گلا کٹتا ہے۔ مسلمانوں نے اس طرح کی شمشیر زنی اپنے دور زوال میں بہت کی ہے۔ اس کی حالیہ مثالیں عرب اسرائیل جنگیں ہیں۔ صدر ناصر اور بعث پارٹی کے پر زور اور پر شور جنگی نعروں کا یہ نتیجہ تھا کہ اسرائیل کو عربوں اور فلسطینیوں کے وسیع علاقے پر قبضہ کا موقع خود عربوں نے فراہم کیا۔ جون ۶۷ء میں عرب اسرائیل سرحد پر اقوام متحدہ کی جو فوج متعین تھی وہ صدر ناصر اور بعثی لیڈروں کے اصرار پر ہٹائی گئی اور اس فوج کے ہٹتے ہی قیامت گزر گئی۔

خلیجی جنگ میں جناب صدام حسین تلوار سونت کر نکلے تھے اور یہ منظر دیکھ کر ہم خوشی کے مارے آپے میں نہیں رہے مگر اب ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں سارا عالم عرب امریکی گرفت میں چلا گیا ہے اور عراق بے چارہ اپنی گرہ سے خرچ کر کے اپنے ہتھیار اور ان کی تنصیبات کو تباہ کررہا ہے۔ پھر ہم لیبیا کے رہنما معمر قذافی کی آتش نوائی کا حشر بھی دیکھ رہے ہیں کہ کچھ اچھا نہیں ہوا اور آج سارا عالم عرب اور سارا عالم اسلام سر پکڑے بیٹھا ہے کہ لیبیا اور قذافی کے بچاؤ کا کیا بندوبست ہو۔

ایک بات اور بھی سوچ لینے کی ہے کہ کمیونسٹوں نے دنیا میں انقلاب کے لئے گوریلا جنگ' دہشت گردی اور تخریب کاری کے جو حربے عام کئے' وہ حربے ہمارے اختیار کرنے کے نہیں ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے قومی اور اسلامی نصب العین کو زک ہی پہنچتا رہا ہے اور جگہ جگہ گوریلا تخریب کار یا دہشت گرد گروہ پیدا کر کے ایک تو ہم دنیا پر یہ ثابت کریں گے کہ ہمارا مذہب خونی ہے اور مسلمان قوم کے فسانوں سے بوئے خوں آتی ہے دوسرا آگے چل کر یہ سارے گروہ خود ہمارے اپنے معاشرے میں بھی تشدد اور خانہ جنگی کا سبب ہونگے۔ تشدد کی سیاست نہ کبھی تحریک خلافت نے کی نہ اکابرین دیو بند نے کی اور نہ کبھی قائد اعظم نے کی۔ اسے مولانا مودودی بھی پسند نہیں کرتے تھے اور علامہ اقبال نے بھی کبھی مسلمانوں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے میں بم مارنے والے بھگت سنگھ پیدا کرو۔

اس انداز سیاست سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر احتراز لازم تھا لیکن افسوس کہ ساری قوم نے داخلی طور پر بھی کلاشنکوف کی سیاست اختیار کرلی ہے اور بیرونی طور پر بھی ارد گرد کے پر تشدد واقعات سے ہم اعصابی تسکین حاصل کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اور اس مغالطہ میں پڑ گئے ہیں کہ شجر اسلام کی آبیاری کے لئے یہ خون خرابہ اچھا ہے مگر کاش کہ یہ بند ہوسکے اور ہماری توجہ اس کی بجائے اپنے اندر حقیقی شعور اور کردار پیدا کرنے پر ہو کیونکہ مسائل خواہ داخلی ہوں یا خارجی ان کے حل کے لئے شعور اور کردار کی ضرورت زیادہ ہے اگر یہ نہیں تو شمشیر پر بھروسہ رب سے ایمان اور بچی کھچی دین دنیا سب کو غارت کردیگا۔○○

○ ○ ○ ○

بقیہ افتتاحیہ

جماعت سازی کے مروجہ طریقے کو خیرباد کہہ کر بیعت کی سنت کو زندہ کیا اور اس وقت کیا جب دینی جماعتیں بھی جمہوریت کی زلف گرہ گیر کی اسیر ہیں۔

آپ نقد جاں اور اپنی صلاحیتوں کا سرمایہ لے کر ایک ایسی جماعت سے وابستہ ہوئے ہیں جو آپ سے تن من دھن کھپا دینے کا مطالبہ توکرتی ہے' دنیا میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیتی۔ اسمبلی کی کوئی سیٹ تو کیا' کسی یونین کونسل کی ممبری بھی نہیں!۔ چودھراہٹ اور لیڈری کا مزا بھی یہاں نہیں ملتا' سیاست کے پیچ و خم سے کوئی لاٹری نکلنے کی توقع بھی عبث کہ اس کوچے میں آپ کی جماعت کا گزر ہی نہیں --- یہاں تو سارا کاروبار ادھار پر چل رہا ہے' اللہ نے آپ کے جان و مال کو خرید لیا اور اس کے بدلے میں وعدہ جنت کا ہے لیکن وعدۂ فردا کیونکہ دنیا میں تو آزمائشوں .... نئی سے نئی اور کڑی سے کڑی آزمائشوں سے ہی دو چار ہونا پڑے گا۔ تو ظاہر ہے کہ آپ کچھ سوچ کر ہی اس "خسارے کے سودے" کی خریداری کو نکلے ہیں۔ اب سوچئے کہ کہیں خسارے کے اس سودے میں بھی آپ کوئی نیا گھاٹا تو مول نہیں لے رہے!۔ یہ گھاٹا بہت بری بلا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

دنیاوی اعتبار سے خسارے کا یہ سودا کرنے والوں کا اخروی گھاٹا اس طرز عمل میں ہے جس سے تنظیم اسلامی کے ہر رفیق کو پناہ مانگنی چاہیے کہ مطالبات دین کا شعوری ادراک حاصل ہوجانے کے بعد بھی انہیں زندگی کی تگ و تاز کا مقصود اول نہ بنایا جائے اور جماعتی سرگرمیوں میں نظم و ضبط کے تقاضوں کو اس حد تک پورا کرنے کی بھرپور کوشش نہ ہوتی ہو جو بیعت کے تحت سمع و طاعت فی المعروف کا منطقی نتیجہ ہے۔ یہ دو علامتیں علاوہ دوسرے مظاہر کے ہر اس مرض میں ضرور پائی جائیں گی جو اس اسلامی انقلابی تحریک کے کسی بھی رفیق کو لاحق ہوسکتا ہے اور ایسے تمام امراض سے بچے رہنے کی احتیاطی تدابیر یہ ہیں کہ قرآن مجید سے قلبی و ذہنی رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے' اللہ تعالیٰ سے صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے تعلق مضبوط کر کے مدد طلب کی جائے اور تنظیم اسلامی کے نظم جماعت سے متعلق بنیادی لٹریچر کو بار بار پڑھ کر ذہن نشین کیا جائے۔ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر' گھروں کا آرام چھوڑ کر اور پلے سے خرچ کر کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے آنے والوں کی خدمت میں استقبالیہ کلمات کے آخر میں یہ چند جملے بے وقت کی راگنی معلوم ہوں گے لیکن خیال خاطر احباب اپنی جگہ' ہمیں انہیں خبردار بھی تو کرنا تھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور ذاتی احتساب کے علاوہ جماعتی کارگزاری کے جائزے کا جو موقع سالانہ اجتماع میں مل رہا ہے' اس سے آپ پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔○○

دوراہے پر نہیں، ہم تو صراط مستقیم پر گامزن ہیں

مقصود تنظیم اسلامی نہیں، اسلامی انقلاب ہے

تنظیم کی شوریٰ کے بارے میں یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

محمد نسیم الدین

۵ مارچ ۹۲ء کے روزنامہ "جسارت" کراچی میں شائع ہونے والا مضمون زیر نظر ہے جسے جناب ڈاکٹر محمد آصف قریشی نے ریاض (سعودی عرب) سے لکھا ہے۔

* پہلی بات یہ عرض کردوں کہ مضمون کا عنوان ہی ایک مغالطہ پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کسی دوراہے پر نہیں کھڑے ہیں بلکہ ان کا حال تو قرآن حکیم میں پیش کردہ مثال میں اس شخص کے مانند ہے جو نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں ہے نہ کہ اس شخص کے مانند جو اپنے پیٹ کے بل کھسکتا ہوا جارہا ہو۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۹۵۷ء ہی میں یہ بات طے کر لی تھی کہ اس ملک میں اسلامی انقلاب مروجہ انتخابی سیاست کے ذریعہ نہیں آسکتا۔ وہ آج بھی پختگی کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم ہیں۔ ان کی اپنی اس رائے پر انشراح صدر کا یہ عالم ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ انہوں نے اپنی تقریروں میں دعا کی ہے کہ وہ دن ڈاکٹر اسرار احمد کی زندگی کا آخری دن ہو جب وہ خود مروجہ انتخابی سیاست میں حصہ لے اور وہ دن تنظیم اسلامی کا آخری دن ہو جب تنظیم اس قسم کا کوئی فیصلہ کرے۔ ان کی ثابت قدمی کا عالم یہ ہے کہ مسلسل ۳۵ سال سے وہ دینی سیاسی جماعتوں کی خدمت میں ایک ہی گذارش پیش کرتے چلے آرہے ہیں اگرچہ آج تک کسی جماعت نے ان کی اس بات پر توجہ نہیں دی حالانکہ وہ اپنی یہ بات کسی مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہتے بلکہ دلائل کے ساتھ گذشتہ ۴۵ سال کی پاکستانی سیاست کے

جماعت اسلامی پاکستان کا واحد روزنامہ "جسارت" کے نام سے کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ ماہ گذشتہ اس روزنامے نے اپنے ادارتی صفحہ پر "ڈاکٹر اسرار احمد دوراہے پر" کا عنوان دے کر ریاض (سعودی عرب) میں مقیم ڈاکٹر محمد آصف قریشی صاحب کی ایک خاصی طویل تحریر شائع کی جس میں مصنف نے امیر تنظیم اسلامی پر بڑی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ اظہار برہمی کے سوا بھی اس میں کوئی قابل ذکر بات ہوتی تو تبصرے کے علاوہ ہم اصل تحریر بھی شائع کردیتے لیکن تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کے ناظم جناب محمد نسیم الدین کے اس جواب میں جو ان صفحات میں پیش کیا جارہا ہے، ہمارے قارئین کو سوالنامے کی نوعیت کا اندازہ بھی ہوجائے گا۔ ریاض ہی میں مقیم ہمارے ایک دوست جناب محمد رشید عمر کی اطلاع کے مطابق ڈاکٹر آصف قریشی وہاں جماعت اسلامی کے حلقے کے امیر ہیں اور اب اپنے اس "مقالے" کی فوٹو کاپیاں بنوا کر مقامی طور پر تقسیم کررہے ہیں۔ محمد رشید عمر صاحب نے خود بھی اس کا ایک شافی جواب ہمیں ارسال کیا ہے لیکن محمد نسیم الدین صاحب کی تحریر یہاں کفایت کرے گی البتہ ریاض میں ہمارے محترم ساتھی اگر اپنے جواب کی اسی طرح فوٹو کاپیاں بنوا کر تقسیم کریں جیسے ڈاکٹر آصف قریشی صاحب کررہے ہیں تو قصہ زمین بر سر زمین طے ہوجانے والی صورت ہوگی اور ان شاء اللہ زیادہ موثر بھی رہے گی۔ البتہ اپنے جواب کے ساتھ "عرب نیوز" کی اشاعت ۱۸ر مارچ سے جس کارٹون کا تراشہ انہوں نے بھیجا ہے، وہ ان کے مختصر تبصرے سمیت شامل اشاعت کیا جارہا ہے جو بڑی معنویت کا حامل ہے۔

"ندائے خلافت" کی تنگ دامانی ہمیں اس طرح کی بحثوں کو بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی ورنہ اپنے اس کرب کی شرح تو ضرور کرتے جو "ڈاکٹر اسرار احمد کو دوراہے پر" دیکھنے والوں کی اپنی حالت کا مشاہدہ کرکے ہم محسوس کرتے ہیں۔ وہ خود دوراہے پر نہیں، چوراہے پر کھڑے ہیں اور کھڑے ہی ہوتے تب بھی غنیمت تھا وہ تو

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کے مصداق کبھی مارشل لاء کا ساتھ دیتے ہیں، کبھی جمہوریت کا رونا رونے لگتے ہیں، کبھی پی پی پی کی طرف دست تعاون بڑھاتے ہیں اور کبھی حکمران جماعت مسلم لیگ کے اونٹ کے گلے میں لٹکتی بلی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ تماشا بھی اب دیکھنے میں آرہا ہے کہ وہ حکمران ٹولے کا "نصف بہتر" ہونے کے دعویدار بھی ہیں اور اس کے کرتوتوں پر تبرا بھیجنے میں بھی حزب مخالف کے کان کترتے ہیں۔ "جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی" ۔ ایک انقلابی اصولی اسلامی جماعت کا کسی موقع پرست سیاسی گروہ کی سطح پر اتر آنا بد ترین حادثہ ہے جس کا دکھ صرف ہمیں نہیں، خود تحریک اسلامی کے وابستگان کو بھی ہے جسے بہلانے میں جماعتی عصبیت فی الحال کامیاب نظر آتی ہے لیکن تابکے۔

کبھی "بھولی ہوئی" منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو — مسافر! یہ خلش دل کی بہ آسانی نہیں جاتی

کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے بحر کی موجوں کو اضطراب سے آشنا کرہی دے اور وہ موجودہ سیاست کی دلدل سے نکل کر ایک بار پھر اسی منزل کی طرف اپنا اور جماعت کا رخ پھیرنے میں کامیاب ہوجائیں جس کا تعین بالکل آغاز میں ہی کرلیا گیا تھا۔۔۔ صاف صاف لفظوں میں، کسی الجھاؤ اور ابہام کے بغیر۔۔۔ (مدیر)

حوالے سے اعداد و شمار کے ذریعہ پیش کرتے رہے ہیں کہ ان دینی سیاسی جماعتوں نے اسلامی انقلاب کی منزل کے حصول کے لئے ملک کی انتخابی سیاست میں حصہ لے کر اپنی راہ ہی کھوٹی کی ہے' حاصل کچھ نہیں کیا۔ لیکن بقول علامہ اقبال کے؂

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

رہی یہ بات کہ وہ کیوں بار بار اپنی پیش کش کا اعادہ کرتے ہیں کہ اگر جماعت اسلامی انتخابی سیاست سے دستبردار ہوجائے تو وہ اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں تو یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی جن کی نگاہوں سے مقصد اوجھل ہوگیا ہو اور جو جماعت ہی کو مقصد سمجھے بیٹھے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں صرف جماعت اسلامی کے پاس ہی دین کا وہ انقلابی فکر اور وہ افرادی قوت اور نظم موجود ہے کہ اگر اس سرمائے کو وہ انتخابی سیاست میں ضائع کرنے کی بجائے نہی عن المنکر بالید کی تیاریوں میں صرف کرے تو اسلامی انقلاب کی منزل کو پایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا مقصد تنظیم اسلامی نہیں بلکہ اسلامی انقلاب کا حصول ہے جس کی خاطر وہ تنظیم اسلامی کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ وہ تو اپنی تنظیم کی بے بضاعتی کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنے آپ کو فریب دینے کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوں۔

جماعت اسلامی سے نکلنے کی وہ صرف ایک ہی وجہ بیان کرتے رہے اور اس کا بار بار اعادہ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے اکابرین جنہیں سیاست کا چسکا پڑ چکا ہے' ان کی باتوں پر غور کریں یا ان مخلصین کی سمجھ میں یہ باتیں آجائیں جو آج بھی جماعت کا رخ متعین کرنے میں اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ موقف کی تبدیلی کی بنیاد ہمیشہ حلال و حرام نہیں ہوتے بلکہ اس میں دوسرے عوامل بھی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جماعت اسلامی صرف بیس سال کے لئے انتخابی سیاست کو ترک کر کے دیکھے اور اگر نتائج مثبت نہ نکلیں تو بے شک وہ دوبارہ انتخابی سیاست میں حصہ لینا شروع کردے۔ انہیں یقین ہے کہ جماعت اسلامی کو انقلابی سیاست انتخابی سیاست سے زیادہ راس آئے گی۔

ان کا مطلب جماعت اسلامی سے لوگوں کو متنفر کرنا ہرگز نہیں بلکہ وہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے عین مطابق کرتے ہیں کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد جن کی دعوت کی جڑ بنیاد ہی رجوع الی القرآن ہے' شورائیت کی اہمیت سے کیسے صرف نظر کرسکتے ہیں۔ خود ان کی اپنی تنظیم میں مختلف سطحوں پر مجالس مشاورت قائم ہیں بلکہ سال میں ایک مرتبہ ایک توسیعی مشاورت کا بھی اہتمام ہے جس میں تنظیم کا ہر رفیق خواہ وہ کسی شوری کا رکن ہو یا نہ ہو اظہار خیال کرسکتا ہے۔ اس موقع پر مرکزی مجلس شوری کے تمام ارکان موجود ہوتے ہیں جو رفقاء کی تجاویز کو سنتے ہیں اور ہر ممکن العمل تجویز پر عمل در آمد کی کوشش کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاضل مضمون نگار کا یہ کہنا کہ ڈاکٹر صاحب اکثریت کی ہر اس رائے کو بھی مسترد کردیتے ہیں جو چاہے شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہو مگر ان کی رائے سے ٹکراتی ہو' سرا سر بہتان ہے۔ بلکہ مثالیں تو ایسی موجود ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے رفقاء کی آراء کے پیش نظر اپنا فیصلہ دلی آمادگی کے ساتھ بدلا۔ پوری شوریٰ کو توڑنے والی بات کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔

ویسے تنظیم اسلامی کی مجلس شوریٰ اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں ایک بنیادی فرق ہے۔ تنظیم اسلامی کی بنیاد بیعت کے مسنون طریقے پر ہے۔ یہاں آخری فیصلہ امیر نے کرنا ہوتا ہے جبکہ جماعت اسلامی میں نام نہاد جمہوریت ہے۔ ان کے ہاں امیر شوریٰ کے فیصلے کا پابند ہوتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد کیا تبدیلی آئی اور اس بارے میں جماعت اسلامی کے اکابرین کو کیا مغالطے لاحق ہوگئے' اس کا تفصیلی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی جائزہ" میں ذکر کیا ہے لیکن اس سے فائدہ اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو جماعت کی عصبیت کی عینک اتار کر اس کا مطالعہ کرے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو اگر مولانا مودودی مرحوم سے کوئی بغض و عناد ہوتا تو اسلام کے احیاء کے ضمن میں وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" شاہ اسماعیل شہید" سید احمد شہید بریلوی" شیخ محمود الحسن دیوبندی" مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال جیسے اکابرین کی صف میں انہیں شامل نہ کرتے جس کا اظہار ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیشتر تقریروں میں کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم جس کی مخالفت پر اتر آتے ہیں اس کی ہر خوبی کو نظر انداز کردیتے ہیں اور جس کی حمایت پر کمربستہ ہوجائیں اس کی ہر خامی بھی خوبی نظر آنے لگتی ہے۔ یہ بات ڈاکٹر صاحب میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "اپنے بھی خفا ان سے ہیں بیگانے بھی ناخوش"۔

متحدہ شریعت محاذ کے معاملات کو بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیشتر تقاریر میں طشت ازبام کیا ہے۔ اگر محاذ میں صرف جماعت اسلامی ہی تنظیم اسلامی کے ساتھ ہوتی تو فاضل مضمون نگار کے الزام کو جو انہوں نے ڈاکٹر صاحب پر لگایا ہے' لوگ تسلیم بھی کر لیتے لیکن اس محاذ میں دوسری جماعتیں بھی شامل تھیں جنہیں حالات کا اچھی طرح علم ہے کہ جماعت اسلامی سے اتنا تو نہ ہو سکا کہ وہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے اپنی چند نشستوں کی جو وہ سینیٹ اور قومی اسمبلی میں رکھتی تھی' قربانی دے سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے پوری اسمبلی ہی توڑ دی تھی اور ان حضرات کو بادل نخواستہ اپنی سیٹوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد کا ریکارڈ یہ ہے کہ جب دیکھا کہ ارکان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تو وہ دوسرے مہینے ہی میں ضیاء الحق مرحوم کی اس نام نہاد مجلس شوری سے استعفی دے کر نکل آئے جس کی رکنیت کے مزے آج کی پارلیمینٹ کی ممبری کے مزے سے ہرگز کم نہ تھے۔

جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر کے بارے میں پہلے تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ یہ محض جہاد حریت ہیں یا جہاد فی سبیل اللہ۔ اس لئے کہ جہاد فی سبیل اللہ وہ جہاد ہے جو خالصتاً اللہ کے دین کے لئے کیا جائے اور وہ جہاد بھی ایک ہی امیر کے ماتحت ہو۔ قطع نظر اس کے ان کے معاملے میں جماعت اسلامی کا کردار روز روشن کی طرح لوگوں پر عیاں ہوچکا ہے۔ دوسروں کی کاوشوں پر اپنی سیاست کی دوکان چمکانا جماعت اسلامی جیسی دینی جماعت کو زیب نہیں دیتا۔ سوال یہ ہے کہ ان کے اپنے لوگوں نے ان میں کیا حصہ لیا ہے۔ اگر جمعیت کے چند نوجوان وہاں شہید بھی ہوئے ہیں تو وہ اپنے دینی جذبے کے تحت اور گرم خون کے جوش میں وہاں گئے تھے نہ کہ جماعت اسلامی کی کسی پالیسی کے تحت۔ اس طرح تو وہاں دنیا بھر کے اور دیگر اسلامی ممالک کے نوجوان بھی شریک ہوئے ہیں تو

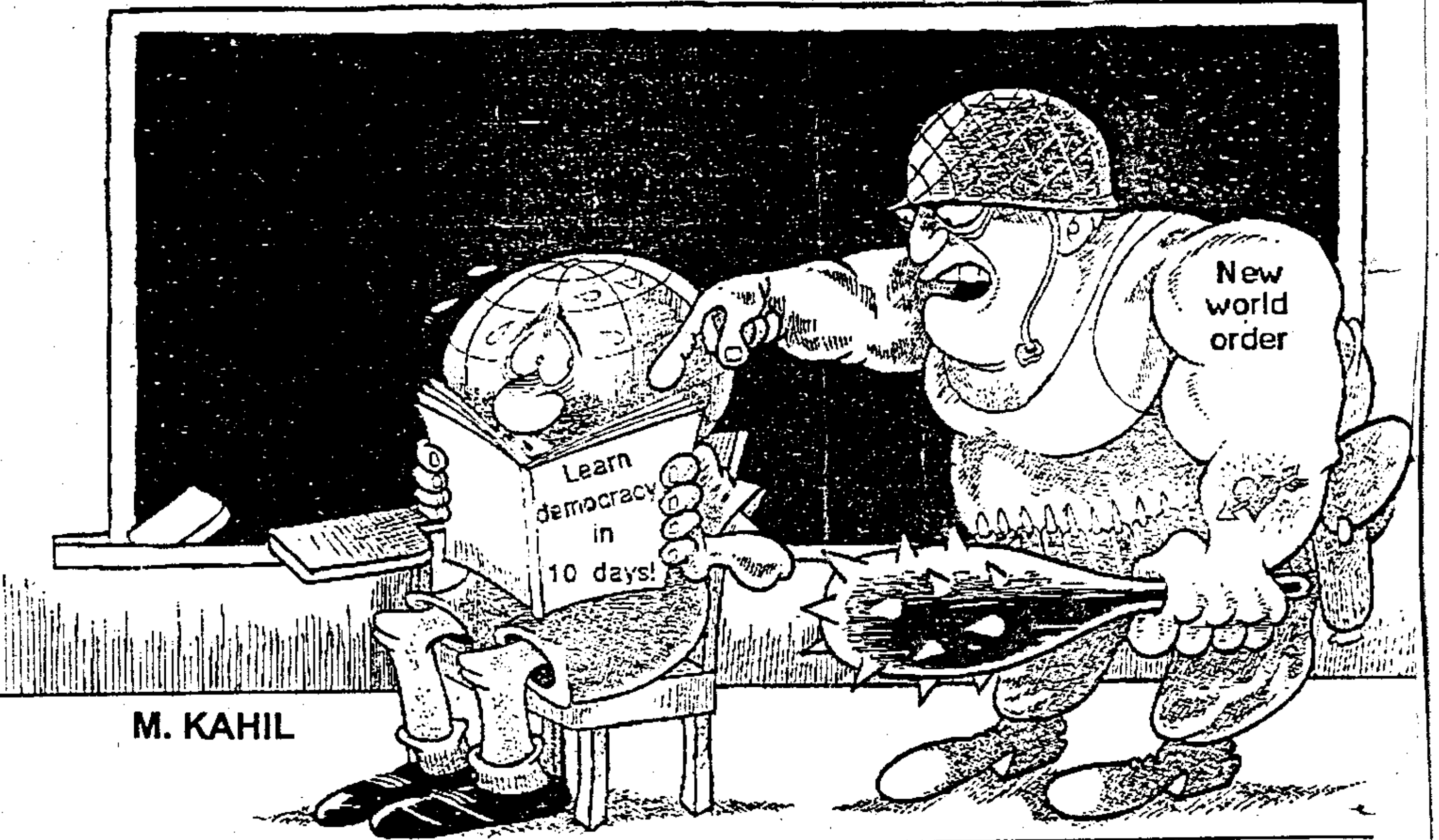

مولانا مودودی صاحب نے جس زمانے میں اقامت دین کے لئے انبیاء و رسلؑ کے اختیار کردہ طریقہ کے آگے ایک بڑے "لیکن" کا اضافہ کر کے تبدیلی کی تھی اور شیطان یا طاغوت کی طرف سے املا کرائے گئے طریق یعنی جدید جمہوریت کو اختیار کر کے اصلاح کی کوشش کی، وہ بوسیدہ ہوچکا ہے۔ اس وقت تک جدید جمہوریت کے اصل مقاصد بھی عالم اسلام کے سامنے نہ آئے تھے لیکن اب تو صورت حال بالکل واضح ہے۔ جماعت کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کر کے اقامت دین کے فطری طریق یعنی منہج انقلاب نبوی کو اپنا لینا چاہیے ---- محمد رشید عمر (الریاض سعودیہ)

کیا وہ سب کے سب جماعت اسلامی ہی کے فرستادہ تھے ۔ صرف چند لمحات گذار کر اچھے اثرات قبول کر لینے ہی سے بات بن سکتی تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

صبر محض Passive Resistance کے موقع پر ڈاکٹر صاحب اور اپنے رفقاء کے قدم بہ قدم موجود ہیں۔ اقدام — Active Resistance کے موقع پر بھی (اگر اللہ کرے وہ موقع آئے) ڈاکٹر صاحب اپنے رفقاء کے شانہ بشانہ موجود ہونگے، ان شاء اللہ۔ کیونکہ انہوں نے منہج انقلاب نبوی کو اپنایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر اپنے صحابہؓ کے درمیان رہے ہیں

ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کی اشاعت کی ہر شخص کو اجازت ہے کہ اس سلسلے میں انہیں بلکہ خود ان کی انجمن یا تنظیم کو بھی کوئی حقوق اشاعت حاصل نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے دینی فرائض کے جامع تصور اور قرآن مجید کے مسلمانوں پر حقوق کے بارے میں اپنی فکر پر علما سے رابطے کئے اور ان سے تصویب حاصل کی ہے ۔ اب یہ اہل علم پر منحصر ہے کہ وہ ان کی تحریروں کا جائزہ لیں ۔ اس بات سے انہیں کسی نے نہیں روکا ۔ ویسے ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تقریر کی بنسبت تحریر کی جانب ان کی طبیعت کم ہی مائل ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کوئی بلند و بانگ دعوی نہیں کیا بلکہ وہ مولانا مودودی مرحوم کو اس صدی کے عظیم مصنفین میں شمار کرتے ہیں ۔ انہیں اس کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ مولانا مودودی ہی کی فکر کے فیض یافتہ ہیں اور اسی کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی دعوت کی جڑ بنیاد جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، دعوت رجوع الی القرآن ہے جس کا کام انجمن خدام القرآن کے تحت ہو رہا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی اشاعت، تعلیم و تعلم قرآن کے ضمن میں لاہور، کراچی اور ملتان میں قرآن اکیڈمیاں قائم ہوچکی ہیں اور ملک کے دوسرے حصوں میں بھی قائم ہونے والی ہیں۔ قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ قرآن آڈیٹوریم میں ہر سال محاضرات قرآنی کا انعقاد ہوتا ہے جن میں حصہ لینے کے لئے اندرون و بیرون ملک سے علماء کو دعوت دی جاتی ہے۔ قرآن یونیورسٹی کے خواب کی تعبیر کا انتظار ہے۔ اس دعوت کی جڑ کا تنا تنظیم اسلامی ہے۔ کوشش ہے کہ رفقاء کی ایسی تربیت کی جائے کہ ان میں تبلیغی جماعت کے کارکنوں کا تقوی و تدین اور جماعت اسلامی کے کارکنوں کا فہم دین اور نظم و ضبط کا امتزاج پیدا ہو جائے۔ ابھی اس تنظیم کو اتنی نفری میسر نہیں کہ نہی عن المنکر بالید شروع کیا جاسکے لہذا تحریروں، تقریروں، مظاہروں اور

جلسوں کے ذریعے نہی عن المنکر باللسان جاری ہے۔

اسی دعوت کے برگ بار کی صورت میں تحریک خلافت پاکستان کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ جس میں اسلامی انقلاب کے نتیجے میں قائم ہونے والی خلافت کے نظام کے شعور کو لوگوں میں عام کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد بلند بانگ دعوؤں اور دھوم دھڑکوں کے قائل نہیں' خاموشی کی ساتھ اپنا کام کئے چلے جا رہے ہیں۔ اسلامی انقلاب کی منزل رضائے حصول کے ذرائع میں سے صرف ایک ذریعہ ہے۔ ان کا نصب العین رضائے الہیٰ ہے۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ اسلامی انقلاب آتا ہے کہ نہیں۔ وہ صرف اس راہ میں بہترین صلاحیتں اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء کی جانثاری کے مسئول ہیں۔ اللہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کی وفاداری بشرط استواری کو ان کے اور ان کے تمام رفقاء کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین

دوسری طرف غور کرنے کی بات یہ کہ بلدیہ عظمیٰ کراچی پر جماعت اسلامی کا اقتدار تقریباً آٹھ سال رہا۔ اس دور میں اس نے بے شمار ترقیاتی کام کئے لیکن کیا انہوں نے بلدیہ عظمیٰ کے اندر کوئی انقلابی تبدیلی برپا کی یا اس کے لئے کوئی کوشش بھی کی۔ کیا رشوت' اقربہ پروری' جھوٹ اور فریب جیسی اخلاقی برائیاں اس ادارے سے ختم ہوگئیں؟۔ جماعت اسلامی کا اصل کام تو بلدیہ عظمیٰ کے ملازمین کو بندگی رب کی طرف بلانا تھا ورنہ ترقیاتی کام تو کوئی بھی جماعت کرسکتی ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ گذشتہ چار برسوں میں بلدیہ عظمیٰ کے ذریعہ ایم۔ کیو۔ ایم نے نہ صرف ترقیاتی کام بے شمار کروائے بلکہ تعلیمی میدان میں بھی وہ سر گرم رہے جس کے نتیجے میں عباسی شہید ہسپتال میں میڈکل کالج کا قیام عمل میں آیا' ڈینٹل کالج بنا اور پرنس روڈ پر خواتین کے کالج میں توسیع کا منصوبہ شروع ہوا۔ حیدر آباد میں بھی وہ شہری یونیورسٹی کے قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ شاید جماعت اسلامی کے دوست اس تذکرے کو پسند نہ کریں لیکن حقائق سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی اور پھر ہمارا مقصد جماعت اسلامی کا ایم۔ کیو۔ ایم سے موازنہ نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ ایک دنیوی جماعت کا اپنے مقصد سے اتنا لگاؤ اور ایک دینی جماعت کا اپنے مقصد سے اتنا دور ہونا ناقابل فہم نہیں ہے۔ اصل میں بات وہی ہے جو جماعت اسلامی سے نکلے ہوئے تمام اکابرین کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی اگرچہ کہ سیاست کو دین کا شعبہ کہتی ہے لیکن عملاً سیاست کو اوڑھنا بچھونا بنا کر انہوں نے دین کو سیاست کے تابع کر دیا ہے۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

فاضل مضمون نگار اور ان جیسے حضرات سے صرف اتنی گزارش ہے کہ وہ ہماری دعوت کو سمجھنا چاہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے طریقہ کار کو بھی تو ہمارے لٹریچر کو بصورت کتب و کیسٹ مطالعہ اور سماعت فرمائیں۔ طنز و تشنیع کے ذریعے ہمیں اپنے موقف سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی بہترین صلاحیتں اپنے دین کی خدمت میں اور اسے سربلند کرنے میں لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ○○

* * * *

پریس ریلیز

افغانستان پر امریکی پالیسی پاکستان کے لئے نیک شگون نہیں

لاہور: ۳۰ر اپریل۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح میں جمعتہ الوداع کے بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے خبردار کیا کہ نیو ورلڈ آرڈر جو دراصل جیو ورلڈ آرڈر ہے مسیح الدجال کے ظہور کی تمہید بھی بنے گا جس کے ہاتھوں مسلمانوں پر ایک عظیم تباہی آنے والی ہے اور اس کے آثار اب صاف نظر آنے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے سابق آرمی چیف بجا طور پر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ عراق کے بعد اب واحد سپریم پاور کا اگلا نشانہ پاکستان اور ایران بنے گا لیکن پاکستان نے شاید سر تسلیم خم کردیا ہے اور گڑ سے مرنے والے کو امریکہ زہر دینے کی زحمت کیوں مول لے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افغانستان میں امریکی پالیسی پر عمل در آمد کا مطلب اس ملک کی تقسیم ہوگا جس کی لپیٹ میں ہمارا پختون علاقہ بھی آسکتا ہے اور یہ پاکستان کے حصے بخرے ہونے کا آغاز ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بلقانائزیشن کا یہ عمل اگلے مرحلے میں بھارت کے بھی ٹکڑے کردیگا کیونکہ صیہونیت کے زیر اثر امریکہ قوت کے کسی بھی اور مرکز کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ امریکہ برطانیہ اور فرانس پوری طرح یہودیوں کے تنیجے میں ہیں اور اب انہوں نے لیبیا کو ہدف بنایا ہے تو امریکہ کے چہیتے عرب ممالک کو بھی دم مارنے کی ہمت نہیں ہورہی کیونکہ وہ خود اس کے شکنجے میں جکڑے جاچکے ہیں۔ دوسری طرف اپنے حریف جاپان اور جرمنی کو بھی جو جنگ عظیم دوم میں اتحادی بھی رہے' امریکہ نے عربوں کے تیل کا کنٹرول حاصل کر کے اپنا محتاج بنالیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے انکشاف کیا کہ باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق پاکستان کے دورے میں امریکی فضائیہ کے سربراہ اعلیٰ سطح کی ایک محفل میں یہ کہہ کر گئے ہیں کہ امریکہ اس وقت ایک مست ہاتھی کی مانند ہے اور جو بھی اس کے سامنے آیا کچلا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ بدر کے میدان میں اترنے والے مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور فتح مکہ کے موقع پر اس بلدامین میں داخل ہونے والے فاتحین دس ہزار سے زیادہ نہ تھے لیکن انہوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا جبکہ آج رمضان المبارک کے عمرے میں دس لاکھ فرزندان توحید کی بھیڑ اور حج پر بیس پچیس لاکھ کا اجتماع بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو اس لئے کہ ہم بے عملی کا شکار ہیں یا دین پر جزوی عمل کرنا چاہتے ہیں' یقین والے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور قرآن سے دوری بلکہ مہجوری ہم نے اختیار کرلی۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا امت کو اہل ثروت اور بادشاہوں نے ایک سازش کے تحت قرآن سے دور رکھا کیونکہ اس کتاب کے کھلا رہنے سے ان کے عیش و نشاط پر انگلیاں اٹھتیں چنانچہ اسے محض حصول ثواب کا ذریعہ بنادیا گیا۔

انہوں نے کہا کہ اس صورت حال کا علاج قرآن سے اپنا رشتہ استوار کرنے' اس کے ذریعے یقین سے مالا مال ایمان کے حصول اور پورے

پورے اسلام پر عمل کرنے کے پختہ انفرادی اور اجتماعی ارادے سے ہی ممکن ہے ورنہ مغربی مادہ پرستی کی تہذیب کے فتنہ دجالیت نے تو ہمیں گھیر ہی رکھا ہے' مسیح الدجال سے بھی امت مسلمہ کا واسطہ جلد ہی پڑنے والا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے وضاحت کی کہ شخص دجال اکبر کا ظہور ایک واقعہ ہے جس کی خبر ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں دی۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان اور عیسائی تو اپنے اپنے انداز میں مسیح علیہ السلام کے منتظر ہیں ہی' خود یہودی بھی عیسیٰ ابن مریمؑ کو بزعم خویش سولی پر چڑھا دینے کے باوجود اپنے مسیح کی راہ دیکھ رہے ہیں جس کے بہروپ میں ان کا کوئی بڑا فتنہ پرور لیڈر سامنے آئے گا اور یہی مسیح الدجال ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ام الحارب کی بھٹی ایک بار پھر دہکے گی اور مسلمان بالخصوص عرب اپنے اعمال کی شامت کو پہنچیں گے اور اس بدترین عذاب کی حسرتناکی یہ ہوگی کہ محمدؐ کے نام لیواؤں کو اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کے ہاتھوں پٹوائے گا جو مردود و ملعون ہیں اور سوا ارب مسلمانوں کے مقابلے میں جن کی تعداد ڈیڑھ کروڑ سے بڑھ کر نہیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ امریکہ میں مغربی دنیا کو جاننے پہچاننے والی ہماری سفیرہ عابدہ حسین کے ایک معروف کالمسٹ کے سامنے اس تازہ اعتراف سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہیں کہ امریکہ میں کوئی یہودی لابی موجود نہیں کیونکہ امریکہ خود ہی امریکی لابی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ مسلمانوں میں بنیاد پرستی کا سب سے بڑا دشمن ہے اور چند دن پہلے ہم نے خود خادم الحرمین الشریفین کی زبان سے سن لیا ہے کہ بنیاد پرستی کو برداشت نہیں کیا جائے گا حالانکہ ان کے اپنے ملک سمیت پورے عالم عرب کے نوجوانوں میں بنیاد پرستی کی لہر اٹھتی نظر آرہی ہے جو امریکی گماشتوں کو بہالے جائے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پاکستان ہی وہ واحد خطہ ارضی ہے جس میں گذشتہ چار صدیوں میں ہونے والی احیائے اسلام کی کوششوں اور ان کے اثرات اُمید کی روشنی بہم پہنچاتے ہیں۔ یہیں سے غلبہ اسلام اور قیام نظام خلافت کا آغاز ہوگا لیکن اس کے لئے مسلمانان پاکستان کو قرآن کی طرف متوجہ ہونا ہوگا جو ایمان و یقین کا سرچشمہ ہے اور اسی کے حصول کے بعد ہم بے عملی کے اس گرداب سے نکل سکیں گے جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدترین سزا کا مستحق بنا دیا ہے۔

کیا یہی اسلام ہے!

اپنے ہونٹوں پر اگرچہ نعرۂ اسلام ہے
لیکن اپنا ہر عمل اس سلسلے میں خام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

اب دلوں میں الفت و حب و اخوت کی جگہ
نفرت و بغض و عداوت کا رویہ عام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

آج وہ ایثار کا جذبہ کہاں جاتا رہا
ہر کوئی حرص و ہوس کا بندۂ بے دام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

آج وہ عہد سلف کی عظمت و شوکت کہاں
میرے دل میں اب یہی اک سوچ صبح و شام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

آج اپنے دل میں وہ احساس تک باقی نہیں
کس غلط منزل کی جانب اپنا ہر ہر گام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

دوسروں سے آج ہم کہتے ہیں کچھ کرتے ہیں کچھ
اس دو رنگی سے ہمارا دین بھی بدنام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

کل تک اپنے جن بزرگوں پر ہمیں سو ناز تھے
آج ان کی خوبیوں سے بھی ہمیں کیا کام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

ہر خطا کو دوسروں کے نام کردیتے ہیں ہم
خود خطا کرتے ہیں اور ابلیس پر الزام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

آج اپنا ہر عمل ہے دین حق کے بر خلاف
اور اس پر محو حیرت چرخ نیلی فام ہے
کیا یہی اسلام ہے!

—— خالد بزمی

(گذشتہ شمارے میں بزمی صاحب کی نظم "نظام خلافت" میں ایک شعر غلط شائع ہوا۔ اس کی یوں تصحیح کر لی جائے۔

ابو بکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
اور ان کے حسیں صبح و شام خلافت

تاریخ اسلام کا
ایک ناقابل یقین باب

علامہ شہزادہ لطیف

آج کے مادیت زدہ ماحول میں فرزندان اسلام کے ان واقعات پر یقین کرنا آسان نہیں جو ہمارے اسلاف کے کارناموں سے مزین ہیں لیکن یہ ایسے حقائق ہیں جنہیں آج تک کسی کو جھٹلانے کی جرات نہیں ہوسکی ۔ دور اول کے مسلمان لشکروں کی فتوحات اپنی جگہ لیکن ان جنگوں میں مجاہدین نے انفرادی طور پر خون اعداء سے جو تحریریں نقش کی ہیں ' ان کا مطالعہ جنت نگاہ اور فردوس گوش سے کسی طور کم تر نہیں ۔ آج کے مسلمانوں کے لئے ان کا مطالعہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان میں یہ احساس اجاگر کیا جاسکے کہ ۔

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

ان پاک طینت نفوس کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے جنت کے عوض اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے پاس گروی رکھ دی تھیں اور یہ بات قادر مطلق پر چھوڑ دی تھی کہ چاہے تو ان کی جان اپنے قبضہ قدرت میں لے لے اور چاہے تو انہیں خدمت اسلام کا مزید موقع دینے کے لئے زندہ رکھے ۔ ہماری گردنوں پر ان بزرگوں کا یہ احسان آج بھی موجود ہے کہ انہی کی عملی کاوشوں سے دنیا کی ایک تہائی آبادی حلقہ بگوش اسلام ہے ۔ جن میں ہم بھی شامل ہیں ۔

مندرجہ ذیل واقعہ ایک ایسے ہی بطل جلیل کی زندگی کے ایک دن کا قصہ ہے جسے پڑھ کر آپ کو سلطان ٹیپوؒ شہید کے اس قول پر یقین کرنا ہوگا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مسلمان فوج نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ معلوم ہوا رومیوں کا ایک لشکر جرار اہل شہر کی مدد کے لئے آرہا ہے ۔ جناب خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے مشورہ کیا کہ دشمن کا انتظار کیا جائے یا آگے بڑھ کر انکی یلغار روکی جائے۔ انہوں نے فرمایا اگر ہم نے یہاں سے فوجیں ہٹا لیں تو اہل شہر بیرونجات پر بھی قبضہ جما لیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی جری' نڈر اور شجاع مرد مجاہد کو آنے والے لشکر کے مقابلہ پر بھیجا جائے ' اگر کامیابی ہو تو بہتر ورنہ وہ واپس آکر ہم سے مل جائے ۔ انہوں نے حضرت ضرار بن ازورؓ کو طلب کر کے فرمایا کہ اپنے ساتھ پانچ سو ایسے مجاہد لے جائیں جنہوں نے اپنی آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہو اور آنے والے رومی لشکر کو روکنے کی کوشش کریں ۔ ایک جرار لشکر کے مقابلے میں اس طرح چند سو آدمیوں کو بھیجنا ایسا امر تھا کہ کسی دنیاوی جنگ میں کسی فوجی افسر کو ایسا حکم دیا جاتا تو ہلاکت کے خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے لیکن اس جانثار اسلام کے لئے تو گویا یہ دل کی بات تھی جو سردار لشکر نے کہہ دی ۔ چہک کر بولے:

" یا ابن ولیدؓ وافر حا ۔ آپ نے آج میرے دل کو اتنا خوش کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا ۔ آپ اگر اجازت دیں تو میں اکیلا اس کام کو سرانجام دے سکتا ہوں "

حضرت خالدؓ نے اکیلے جانے کی اجازت نہ دی تو حضرت ضرار نے کہا۔ " اچھا میں جا رہا ہوں آپ باقی سواروں کو میرے پیچھے بھیج دیں " ۔ یہ کہہ کر انہوں نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور تن تنہا رومیوں کی طرف چل پڑے ۔ آپ بیت لہیا پر پہنچے تو باقی مجاہد آپ سے آن ملے ۔ اس وقت آپ نے دیکھا کہ رومیوں کی فوج ٹڈی دل کی طرح ایک پہاڑ سے اتر رہی تھی ۔ دشمن کی اتنی کثرت دیکھ کر بعض ساتھیوں نے واپسی کا مشورہ دیا لیکن رافع بن عمیرہ الطائیؓ کی تقریر پر سارے مسلمان حضرت ضرارؓ سے متفق ہوگئے ۔ تب انہوں نے ایک مناسب کمین گاہ میں مسلمانوں کو چھپا دیا اور خود برہنہ بدن (غالبا صرف ایک لنگوٹ پہنے ہوئے) ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ لئے رومیوں کی تاک میں کھڑے ہوگئے۔ وہ قریب پہنچے تو آپ نے نعرہ تکبیر کے ساتھ اچانک حملہ کردیا ۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے دلوں پر رعب چھا گیا مسلمان بازوں کی طرح جھپٹتے اور دشمن کو چڑیوں کے غول کی طرح خاک و خون میں نہلا دیتے ۔

حضرت ضرار نے دیکھا کہ قلب لشکر میں رومی فوجی ایک سوار کے گرد احاطہ کئے ہوئے ہیں ۔ آپ نے بلا تامل قلب لشکر پر حملہ کردیا اور علم بردار کو نیزہ سے چھید ڈالا ۔ ایک سوار رومی سردار کے سر پر صلیب کا سایہ کئے ہوئے تھا۔ حضرت ضرار نے اس کا پہلو چیر دیا ۔ اب صلیب اور علم زمین پر تھے اب آپ کا نشانہ رومی فوج کا سردار وردان تھا ۔ لیکن وہ مقابلہ سے گریز کررہا تھا اور رومی اس کی ڈھال بنے ہوئے تھے۔ وہ سردار کی حفاظت میں بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن حضرت ضرار باوجود یکہ دشمن کے عین قلب میں تھے اور چاروں طرف ہزار ہا رومی گھیرا ڈالے ہوئے تھے لیکن ان کی جبین پر بل تک نہ تھا ۔ وہ مردانہ وار چوکھی لڑائی لڑرہے تھے ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ہرچہار طرف سے حملہ روکتے تھے ۔ جس موذی کے سینے پر آپ کا بھالا پڑتا وہی دم توڑ دیتا اور جو رومی آپ کے قریب آتا وہی زمین پر آرہتا اسی طرح آپ نے رومیوں کے اکثر بہادروں کو خاک و خون میں لوٹا دیا اور بڑے بڑے جانبازوں کو موت کی نیند سلا دیا ۔ پھر پیشتر اس سے کہ دوسرے مسلمان آپ کی طرف متوجہ ہوتے' وردان کے بیٹے حمران نے دور سے ایک تیر مارا جو

تحریک خلافت پاکستان

تربیت و تزکیہ

آٹھواں سبق

زبان کی حفاظت

جسم انسانی میں مختلف اعضاء کی مختلف اعتبارات سے اہمیت ہے ۔ زبان بھی ان چند اہم اعضاء میں سے ہے جن کے ذریعے صادر ہونے والے اعمال انسان کو جنت کا حقدار بھی بنا سکتے ہیں اور جہنم کا نوالہ بھی ۔ اس کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوگا جس میں آپ ؐ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ضمانت دے کہ اس کی زبان اور شرم گاہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف استعمال نہیں ہوگی تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں ۔

اس زبان کو اگر اپنے خالق و مالک کی حمد و ثناء ، تلاوت قرآن مجید ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ، دین حق کی حمایت و تبلیغ اور باہمی معاملات میں اصلاح کے لئے استعمال کیا جائے تو یہی اس کا صحیح استعمال ہے ۔ لیکن اگر اس کے برعکس اسے اللہ کے مقابلے میں دوسری ہستیوں کو پکارنے کے لئے ، دین کی مخالفت میں اور انسانی معاملات کو بگاڑنے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہی انسان کے لئے دنیا و آخرت میں وبال جان بن سکتی ہے ۔ سورۃ الحجرات میں زبان کے غلط استعمال سے روکتے ہوئے کہا گیا کہ :

اہل ایمان ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں ، ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکاریں ، ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں ۔ کیا انہیں پسند ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائیں ۔ اس سے بہت کراہت محسوس کرتے ہو ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ

اے معاذ تیری ماں تجھے روئے ۔ آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا ناکوں کے بل زیادہ تر انکی زبانوں کی بیباکیاں ہی ڈلوائیں گی (ترمذی ۔ مسند احمد)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تم سچائی کو لازم پکڑو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور جب آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو ۔ کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اسے دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور جب آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوجاتا ہے اور جھوٹ ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے (عن عبداللہ بن مسعود بخاری و مسلم)

اللہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کے بازو میں لگا ۔ آپ زخمی شیر کی طرح پلٹے اور حمران پر حملہ کیا اور ایسا سنبھال کر نیزہ مارا کہ اس کا سینہ چیر کر پار نکل گیا ۔ آپ نے نیزہ کھینچ کر نکالنا چاہا تو اس کا پھل ہڈیوں میں پھنس کر رہ گیا ۔ رومیوں نے آپ کا ہاتھ خالی دیکھا تو چاروں طرف سے گھیر کر شیر کو قابو میں کرلیا ۔

دیگر مسلمانوں نے رافعؓ بن عمیر کی سرکردگی میں حضرت ضرارؓ کو چھڑانے کے لئے شدید حملہ کیا ۔ بے شمار رومیوں کو قتل کیا لیکن کامیاب نہ ہوسکے ۔ حضرت خالد بن ولید کو حالات کی اطلاع ملی تو فوراً جتنے سپاہی تیار ہوسکے انہیں ساتھ لے کے گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں ۔ کچھ فاصلہ طے کرچکے تو دیکھا کہ ایک سوار ان سے بھی آگے گھوڑا اڑائے چلا جارہا ہے ۔ اس نے زرہ پر سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں نیزہ تھا ۔ وہ اندازہ نہ کرسکے کہ یہ کون سوار ہے ۔ وہ رومیوں تک پہنچا تو ان پر اس طرح حملہ آور ہوا جیسے باز چڑیوں پر ۔ اس کے حملے نے دشمن کے لشکر میں تہلکہ مچا دیا ۔ وہ بجلی کی طرح جس طرف گرتا دو چار کو واصل جہنم اور پانچ سات کو زخمی کرجاتا ۔ اس طرح بے شمار رومیوں کو قتل کر کے وہ بالآخر وسط لشکر میں پہنچ گیا اور رومیوں کے ہجوم میں غائب ہوگیا ۔

حضرت رافع بن عمیرؓ ابھی تک بر سرپیکار تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خالد بن ولیدؓ ہیں کچھ دیر بعد خالدؓ پہنچے تو رافعؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ پہلا سوار کون تھا ؟ حضرت خالدؓ نے لاعلمی ظاہر کی اور اپنی جمعیت کے ساتھ رومیوں پر حملہ کردیا ۔ جنگ کے دوران ایک بار پھر حضرت خالدؓ نے اس سوار کو دیکھا کہ بیک وقت کئی کئی رومیوں سے لڑرہا تھا ۔ تب حضرت خالدؓ اس کی طرف بڑھے ۔ اس کے گرد رومیوں کا گھیرا توڑا اور تنبیہہ کی کہ اس طرح بے دریغ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے ۔ پھر اس کے لباس پر نظر ڈالی جو رومیوں کے خون سے لتھڑا ہوا تھا لیکن چہرہ عمامے کی اوٹ میں تھا ۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے ۔ تب ایک نسوانی آواز سنائی دی ۔ " یا امیر میں ضرارؓ کی بہن خولہؓ ہوں بھائی کی گرفتاری کی خبر سن کر آئی ہوں اور جو کچھ کررہی ہوں وہ آپ کے سامنے ہے" حضرت خالدؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

اب حضرت خالدؓ اور بی بی خولہؓ نے مل کر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے ۔ دونوں جدھر رخ کرتے لاشوں کے پشتے لگ جاتے اور صفیں درہم برہم ہوجاتیں۔ جنگ کی حالت یہ تھی کہ باقاعدگی ختم ہوگئی تھی ۔ جو مسلمان جس جگہ موجود تھا وہیں اردگرد کے رومیوں سے لڑرہا تھا ۔ بی بی خولہؓ بار بار رومیوں کی صفیں چیرتی ہوئی دائیں بائیں قتل کا بازار گرم کرتی چلی جاتی تھیں لیکن بھائی کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا حتیٰ کہ تاریکی پھیل گئی اور دونوں فوجیں واپس ہوگئیں ۔ خولہؓ نے اب سارے اسلامی لشکر سے پتہ کیا کہ کسی نے حضرت ضرارؓ کو دیکھا ہو لیکن

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

اشتہار کی شکل میں ایک بے ضرر اپیل

جس نے انگریزی صحافت کو حواس باختہ کردیا

یوم پاکستان (۲۳ر مارچ) سے کئی دن پہلے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت ' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ارباب حکومت سے ایک "دست بستہ درخواست" بصورت اشتہار ملک بھر کے نمایاں اخبارات میں شائع ہوئی جس کا عکس اس صفحہ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس پر ۲۲ر مارچ کے انگریزی روزنامے "ڈان" کراچی کے کسی رپورٹر نے بہت گمراہ کن حاشیہ آرائی کی جس کی تفصیل دینا ہم ضروری نہیں سمجھتے تاہم رد عمل میں کراچی ہی سے اختر ندیم صاحب نے "ڈان" کو احتجاجی خط لکھا تو اس انگریزی اخبار نے صحافت کے مسلمہ اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ نہ صرف اختر ندیم صاحب کا خط شائع کیا بلکہ ایڈیٹر کی طرف سے معذرت کو بھی ساتھ ہی منسلک کردیا۔ ہم "ڈان" کی اصول پسندی پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اصل خط اور معذرت کے عکس کے ساتھ ترجمہ بھی اپنے قارئین کو پیش کررہے ہیں جن میں سے لاہور کے "دی نیشن" پڑھنے والوں کو ادارہ نوائے وقت کے اس انگریزی اخبار کی طرف سے بھی ایسی ہی کسی معذرت کا انتظار ہوگا جس نے ۴ر اپریل کو کسی امینہ جیلانی کا ایک "شہ پارہ" اپنے ادارتی صفحے پر شائع کیا۔ متذکرہ اشتہار ہی کی عبارت سے مشتعل ہو کر مغربیت کی ڈسی ہوئی ایک خاتون کی متعفن تحریر کو شہ پارہ کہنے پر ہم اس لئے مجبور ہوئے کہ صنف نازک کی طرف سے ایسی فحش جارحیت کو نوادر میں ہی شمار کیا جانا چاہیے۔

"ڈان" کے زمرہ مراسلات میں شائع ہونے والے خط کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ ڈان (۲۲ر مارچ) میں شائع ہونے والی ڈاکٹر اسرار احمد کی اپیل پر گمراہ کن اور مسخ شدہ رپورٹ صدمے کا باعث ہوئی۔ میں روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے ڈاکٹر اسرار صاحب کے متعلقہ اشتہار اور ڈان کی مذکورہ رپورٹ کی فوٹو کاپیاں اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ خبر سازی کے اس انداز کو بددیانتی اور تعصب کے سوا کیا نام دیا جائے۔ میرا مطالبہ ہے کہ ڈان اس رپورٹ پر اپنے قارئین سے معذرت طلب کرے۔ (اختر ندیم۔ کراچی)

اور ڈان کے ادارے کی طرف سے معذرت کا مفہوم یہ کہ ہمیں اس سے اتفاق ہے کہ مذکورہ خبر میں ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کی ترجمانی درست اور دیانتدارانہ نہیں تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے فی الحقیقت ۲۳ر مارچ کی مجوزہ پریڈ پر تنقید نہیں کی تھی ' ان کا اختلاف صرف خواتین کی اس میں شرکت سے تھا۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ "ڈان" کو اس معاملے میں ان کے نقطہ نظر سے اتفاق ہو تاہم ادارہ ڈاکٹر اسرار احمد اور اپنے قارئین سے معاملے کی نوعیت سے اس انحراف پر مخلصانہ معذرت طلب کرتا ہے... (ادارہ)

سلطنت خداداد پاکستان

کے صدر، وزیر اعظم اور سربراہان افواج سے

دست بستہ درخواست

اس سال ۲۲ر مارچ کو یوم الفرقان (یوم بدر) ہے اور اگلے روز یعنی ۲۳ر مارچ کو یوم پاکستان ہے! خدارا اس موقع پر فوجی پریڈ میں خواتین کو شامل نہ کریں۔ مسلمان خواتین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی معنوی بیٹیاں ہیں۔ انہیں موقع پر موجود' اور ٹی وی دیکھنے والے لاکھوں نامحرموں کی نگاہوں کے سامنے بے حجاب اور چست وردیوں میں ملبوس پریڈ کرتے ہوئے پیش کرنا ہرگز جائز نہیں ہے! اور کم از کم اس منکر کو ختم کرنے میں تو نہ کوئی مشکل حائل ہے، نہ کوئی داخلی یا خارجی پیچیدگی!

ملک وملت کے جملہ بہی خواہوں بالخصوص جملہ مکاتب فکر کے علماء کرام سے بھی درخواست ہے کہ اس معاملے میں جہاں جہاں اپنا اثر ورسوخ استعمال کرسکیں اور نصیحت وخیرخواہی کا حق ادا کرسکیں ہرگز دریغ نہ کریں اس لیے کہ یہ سب سے زیادہ آسان کام ہے!

(نوٹ: خواتین کو فوجی تربیت دینا ہرگز غلط نہیں ہے لیکن ان کی پریڈ کسی باپردہ اسٹیڈیم میں کرادی جاتی جہاں ان کی مائیں بہنیں انہیں دیکھ کر حوصلہ افزائی کرسکیں)

خیر اندیش: ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی وداعی تحریک خلافت پاکستان

Dr Israr Ahmed's appeal

THE twisted and misleading reporting of Dr. Israr Ahmed's appeal in *Dawn* (March 22) was shocking. I am enclosing photo-copies of Dr. Israr's advertisement as published in *Jang* and the report of *Dawn*. There are no other words for the reporting but dishonest and biased.

I demand that *Dawn* should apologise to its readers for the reporting.

AKHTAR NADYME
Karachi

We agree that the news-item failed to r present Dr Israr Ahmed's position faithfully and correctly. In the advertisement now supplied to us, Dr Israr Ahmed had not criticised the parade scheduled for March 23 as such. He had only opposed the participation of women in the parade.

Though not necessarily sharing his view on this matter, *Dawn* sincerely apologises to Dr Israr Ahmed and to its readers for this lapse from objectivity. —Ed.

پروفیسر مرزا محمد منور کی گراں قدر کتاب کا ایک اہم باب

تحریک پاکستان اور خالصہ سیاست

مترجم: محمد یوسف عرفان

معروف قوم پرست و اسلام پسند دانشور پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی کتاب "Dimensions of Pakistan Movement" پوری کی پوری قابل مطالعہ ہے اور ہمارے جو قاری استطاعت و استعداد رکھتے ہیں انہیں اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے تاہم ایک باب جس میں خالصہ سیاست کا تاریخی پس منظر مستند حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' فوری توجہ کا مستحق ہے اور اسے وسیع پیانے پر پھیلانا وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔ ہم تو خواہش رکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی تاریخ اور ہندومت کے فلسفے کو سمجھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے' صرف اس لئے نہیں کہ ہمیں ان کے شر سے بچنا ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اسلام کی دعوت اپنی ہمسایہ قوم تک پہنچانا ہماری اولین ذمہ داری ہے جس کی نفسیات سمجھے بغیر "مجادلہ بطریق احسن" ممکن نہیں لیکن سکھوں کے ساتھ افہام و تفہیم کو ترجیح دینا ضروری ہوتا جارہا ہے کیونکہ بھارت ان کے نام کے ساتھ ہمارا نام تو اب بھی لیتا ہے' حالات کی کوئی نئی کروٹ ہمیں اس قوم کے ساتھ کسی نئے رشتے میں منسلک بھی کرسکتی ہے... (مدیر)

سکھوں کی دوسری اور آخری جنگ میں برطانوی عساکر نے سکھ فوجوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جنگ بمقام گجرات (پنجاب) ۲۱ مئی ۱۸۴۹ء میں لڑی گئی۔ سکھ قوت کا ستارہ گویا ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ تمام علاقہ جو خیبر سے لے کر ستلج کے سندھ میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں چلا گیا۔ سکھ پلٹنیں ہوا کے رخ کی سمت یوں بکھر گئیں گویا وہ دور خزاں میں تیز ہوا کے سامنے بکھر جانے والی بے جان پتے تھے۔ تقریباً آٹھ برس تک سکھ قوم بے بسی' شکست خوردگی اور دل شکنی کی حالت میں مبتلا رہی' لیکن اس تمام پژمردگی کے باوصف ان کے دل و دماغ میں جو نفرت مسلمانوں کے لئے ہوئی تھی' وہ اس نفرت سے بہت زیادہ تھی جو انگریزوں کے خلاف تھی۔ حالانکہ انگریزوں نے انہیں شکست سے دوچار کیا تھا اور غلام بنا لیا تھا۔ ناقابل تردید ثبوت اس امر کا وہ خدمات ہیں جو سکھ سپاہیوں نے برطانوی حکام کے زیر فرمان ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں سرانجام دیں' جسے برطانیہ والے "غدر" کا نام دیتے ہیں۔

سکھوں کی حکومت کو ختم ہوئے کل آٹھ برس ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے زخم ابھی تازہ تھے۔ اس اعتبار سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت سکھ قوم باغیوں میں فقط شامل ہی نہ ہوتی بلکہ دوسرے باغیوں سے بڑھ چڑھ کر انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل ہوتی' لیکن اس کے برعکس انہیں ایک انتہائی شاندار موقع نظر آیا کہ اورنگ زیب کے مغل جانشین کی سطوت کو برباد کرکے اپنا تاریخی انتقام لے لیں۔ سکھوں نے فرض کر رکھا تھا کہ ان کے نویں گورو تیغ بہادر کا سر اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے قلم کیا گیا تھا۔ اسی طرح سکھ اس واہمے میں بھی مبتلا تھے کہ ان کے دسویں اور آخری گورو گوبند سنگھ جی کے دو بچوں کی المناک موت کا باعث بھی اورنگ زیب تھا۔ نتیجہ یہ کہ سکھ بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنے نئے آقا انگریز کے جھنڈے تلے بہادر شاہ ظفر کے حامیوں کے خلاف لڑے اور مغلوں کے دارالحکومت دہلی کو خوب خوب لوٹا۔

برطانوی حکمرانوں نے ایک جذباتی افسانہ گھڑ رکھا تھا جو بہادر شاہ ظفر کے خلاف تھا۔ (بہادر شاہ ظفر بابری خاندان کا آخری فرمانروا فرد تھا) اور ایک بے بنیاد بیان کو گورو تیغ بہادر جی سے منسوب کرکے سکھوں کے یہاں غدر کے دوران میں عام کیا گیا اس ڈھکوسلے نے سکھوں کو خوب گرمایا۔ جو الفاظ گورو تیغ بہادر جی کے منہ ڈالے گئے وہ یہ ہیں۔ "اے اورنگ زیب! میں اپنے قید خانے کی سب سے اوپر کی منزل میں تھا اور میں تیرے محلات اور تیرے محلات کی شہزادیوں کے شبستانوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ میں اس سمت دیکھ رہا تھا جس سمت سے اہل فرنگ وسیع سمندروں کے پرلی طرف سے آرہے تھے تاکہ تمہارے محل کے حریری پردوں اور تمہاری شہنشاہی کو چاک چاک کر ڈالیں۔"

اسی ضمن میں پروفیسر ویرن پلاے (VAIRAN PILLAI) نے لالہ لاجپت رائے کی ایک تحریر کا حوالہ دیا ہے کہ "سکھوں کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے روائتی نفرت بھری تھی' اور اب انہیں ان زیادتیوں کا انتقام لینے کا موقع بھی مل رہا تھا جو مسلمان حکام نے سکھوں کے ساتھ روا رکھی تھیں' اس احساس نے سکھوں کی تخیلات کو طوفانی صورت عطا کر دی۔ انہیں بتایا گیا کہ اور انہوں نے یقین کرلیا کہ مسلمانوں کی قوت توڑ کر وہ گویا گورو تیغ بہادر کے قاتلوں اور گورو گوبند سنگھ پر ظلم ڈھانے والوں اور ان کے بیٹوں کے جان لیواؤں سے انتقام لے رہے ہیں۔"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سکھوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت کار فرما تھی کیا اس کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق تھا یا بھولے

خالصے لوگوں کی فریب ناک باتوں میں آکر یوں سمجھنے لگ گئے تھے۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ فی الحال اس کہانی کو مختصر کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں ایک کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یہ اردو میں لکھی ہوئی چھوٹی سے کتاب ہے جو مارچ ۱۹۶۶ء میں جالندھر (بھارت) سے شائع ہوئی۔ کتاب کا عنوان ہے "سکھوں کے لئے ہندو اچھے یا مسلمان"۔ مصنف کا نام نریندر سنگھ بھلیر ہے جو بٹالہ ضلع گورداس پور کا باشندہ ہے اور بھارتی پنجاب کی صوبائی کانگریس کمیٹی کا رکن ہے۔ نریندر سنگھ بخلوص خاطر سکھوں کے جذبات کا حامی ہے۔ اور ان کے موقف کی مئوید بھی۔ وہ بڑے پر امید شوق سے ان دنوں کا انتظار کر رہا ہے جب سکھ راج نہ صرف پنجاب ہی میں دوبارہ قائم ہوگا بلکہ پھیل کر سارے برعظیم کو اپنے احاطہ میں لے لے گا۔ نریندر سنگھ کے خیال میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اخلاقی اقدار سے محروم ہیں اور قربانی کی روح ان سے چھن چکی ہے' لہٰذا وہ حق کی پاسداری کے قابل نہیں رہے۔ اس لئے حکومت کا حق فقط خالصہ دل کو پہنچتا ہے۔ تاہم نریندر سنگھ بھلیر بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ عہد ماضی میں مسلمانوں کے ساتھ سکھوں کے جو روابط تھے' ان کی بابت سکھوں کو بری طرح گمراہ کیا گیا۔ محولہ بالا کتاب کے ذریعے بھلیر سنگھ نے کوشش کی ہے کہ عہد ماضی کے ریکارڈ کو کجی سے پاک کیا جائے۔ نریندر سنگھ بھلیر کا نظریہ یہ ہے کہ سکھوں اور مسلمان حکام کے مابین جو بھی جھگڑے اٹھے تھے ان کا باعث تنگ نظر ہندو تھے۔ جو سکھوں سے حسد رکھتے تھے اور جنہیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ سکھوں کی طاقت بڑھے اور گوروؤں کا پنتھ ترقی پذیر ہو۔

نریندر سنگھ کی رائے میں واقعات کے راوی' جو عموماً ہندو تھے' واقعات پر اپنے رجحان کے مطابق نظر ڈالتے تھے۔ حقائق کو چھپاتے تھے۔ نیز دشمنی اور تلخی بڑھانے کے لئے مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ نریندر سنگھ کا بیان واقعی توجہ طلب ہے یہ بیان قاری کو اس امر سے آگاہ ہونے میں مدد دے گا کہ ہندو لوگ' سکھوں کی سادہ دلی سے بار بار کس طرح فائدہ اٹھاتے رہے اور سکھوں کو کس طرح نقصان پہنچاتے رہے۔ سکھوں اور مسلمانوں کے تاریخی روابط کے پس منظر کا مطالعہ حافظے کو تازہ کرنے کیلئے فائدہ مند ہے۔ بلا تبصرہ نریندر سنگھ کی آراء کا ملخص سطور آئندہ میں درج کیا جاتا ہے:

"سکھ مذہب کے بانی بابا گورونانک دیو کے بہت سے عقیدت مند مسلمان تھے۔ کئی مسلمان سردار ان کے خیر طلب تھے۔ باباجی نے پنجاب کے حاکم دولت خان لودھی کے ماتحت مودی خانہ کی نگران کی حیثیت سے ملازمت بھی کی تھی۔ جونا گڑھ کے نواب فیض طلب خان بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ گورونانک دیو نواب جونا گڑھ کے پاس مہمان رہے اور جب رخصت ہونے لگے تو نواب جونا گڑھ نے ان سے التجا کی کہ تبرک کے طور پر اپنی کھڑاؤں انہی کے پاس چھوڑ جائیں چنانچہ رخصت ہوتے وقت گورونانک دیو جی نے نواب صاحب کے حسب طلب اپنی کھڑاؤں جونا گڑھ ہی میں چھوڑ دیں۔ جو ابتک وہیں ہیں۔"

بابر نے گورونانک دیو جی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا جس کی باعث گروجی نے اللہ کے حضور میں دعا کی تھی کہ بابر کے خاندان کو طویل مدت تک حکومت میسر رہے جب شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہمایوں کو برے دن دیکھنے پڑے تو ہمایوں گورونانک دیو جی کے بعد ان کی گدی سنبھالنے والے گورو انگد دیو جی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور سوال کیا کہ ہماری سلطنت کو گورونانک صاحب نے دعا دی تھی اور ان کی اشیر باد حاصل تھی یہ کیسے اتنی جلدی ختم ہوگئی۔ گورصاحب نے فرمایا کہ گورونانک صاحب کا فرمان کبھی غلط نہیں ہوسکتا آپ چند ہی سالوں میں پھر شہنشاہ بن جائیں گے۔"

اکبر کے دل میں گورو امرداس صاحب کیلئے بڑی عزت تھی۔ اکبر نے گورو امرداس ہی کے ایما پر ستی کی رسم بند کرنے کے احکام جاری کئے تھے۔ اکبر نے گمٹالہ اور سلطان ونڈ وغیرہ گاؤں اور دیہہ گورو رام داس کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کئے۔ گورو رام داس کے بعد سری گورو ارجن دیو جی گدی نشین ہوئے۔ بابا پرتھی چند جو کہ گورو رام داس صاحب کا بڑا لڑکا تھا چھوٹی لڑکے کو گدی ملنے پر ناراض ہوگیا لہٰذا شہنشاہ اکبر کے دربار میں دعوی دائر کیا' مگر اکبر نے یہ کہہ کر دعوی خارج کر دیا کہ گدی اسی کے پاس رہے گی جس کو گورو رام داس صاحب خود سپرد کر گئے ہیں۔ پرتھی چند اور دوسرے ہندوؤں نے چندو لال کے ساتھ مل کر پرتھی چند کے لڑکے کے لئے گدی کا دعوی دائر کر دیا' وہ بھی اکبر بادشاہ نے خارج کر دیا۔ انہی ہندوؤں کی طرف سے پھر گورو ارجن دیو صاحب پر قتل کی سازش کے دو مقدمے دائر کردئے جو مسلمانوں حاکموں نے جھوٹے قرار دے کر خارج کر دئے۔

شہنشاہ جہانگیر نے گورو ارجن دیو جی کو جاگیر عطا کی۔ وہ گوروجی کی بڑی عزت کرتا تھا۔ چندو لال اور پرتھی چند نے گوروجی کے خلاف پھر ایک مقدمہ دائر کر دیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے یہ مقدمہ خارج کر دیا۔ اس پر ہندو سازشیوں نے شہنشاہ جہانگیر کے ہاں چغلی کھائی کہ گورو گرنتھ صاحب میں مسلمانوں کی خلاف بہت تعصب بھرا ہوا ہے جہانگیر نے بھی اکبر کی طرح گورو گرنتھ جی کی عبارتیں سنیں اور اکبر ہی طرح چغل خوروں کو سختی سے ڈانٹ دیا' لیکن آخر کار چندو لال گورو ارجن دیو جی کو گرفتار کرانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اور چندو لال اور اس کے ساتھی سازشیوں کی وجہ سے' جن کے حاکم لاہور سے روابط تھے' گوروجی حوالہ زنداں ہو گئے۔ اور زنداں ہی میں فوت ہوگئے۔ ایک ہندو لکھاری لالہ شوبرتھ لال درمن نے لکھا ہے کہ یہ سری گور گھرانے کے پہلے شہید ہیں جو مسلمانوں کی ہاتھوں نہیں بلکہ خاص ایک ناپاک ہندو کھشتری کے ہاتھ سے دھرم دھام کو سدھارے (یعنی وفات پائی)۔

گورو ارجن دیو کے جانشین گورو ہرگوبند جیل میں تھے۔ ان کی وکالت جہانگیر کے دربار میں حضرت میاں میرؒ نے فرمائی۔ اور انہیں کی وکالت کی بنا پر جہانگیر نے چندو لال کے بارے میں تحقیقات کرائی اور جب جہانگیر کو چندو لال کی سازشوں کا علم ہوا تو انہوں نے گورو ہرگوبند کو جیل سے رہا کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ جہانگیر نے چندو لال کی ساری جائیداد قرق کرلی اور اسے گورو ہرگوبند کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اسے قتل کرکے گورو ارجن دیو جی کا انتقام لے لے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کتنا انصاف پسند شہنشاہ تھا۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب گورو ارجن دیو جی نے دربار صاحب امرتسر کی تعمیر کا آغاز کرنا چاہا تو انہوں نے حضرت میاں میرؒ ہی سے التجا کی کہ وہ سنگ بنیاد رکھیں۔ گورو ارجن دیو کی طرح گورو ہرگوبند جی بھی پرتھی چند اور چندو لال کی سازشوں کا شکار ہوئے تھے اور انہیں گوالیار کے قلعہ میں قید کر لیا گیا تھا۔ ان کے

ضمن میں بھی حضرت میاں میر نے شہنشاہ جہانگیر کو آگاہ کیا کہ گورو جی پر عائد کردہ الزامات غلط ہیں چنانچہ شہنشاہ جہانگیر نے ان کی رہائی کا حکم دے دیا' مگر گرو جی نے فرمایا کہ جب تک سارے قیدی رہا نہ ہوں' میں جیل سے نہیں نکلوں گا' لہٰذا شہنشاہ نے سارے قیدی رہا کر دئے اور گورو جی کو پنج ہزاری منصب مع خلعت سے نوازا۔ باقی تحائف اس کے علاوہ تھے۔

شہنشاہ شاہ جہاں کے دور حکومت میں بھی سکھ پنتھ کے دشمن ہندو گورو ہر رائے کیلئے مشکلات پیدا کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی فوجیوں اور سکھوں کے مابین جھڑپیں بھی رونما ہوئیں ۔ یہ جھڑپیں بہت محدود تھیں اور فقط صوبائی حکام سے ان کا تعلق تھا۔ حق یہ ہے کہ گورو گدی کے خلاف شہنشاہ شاہ جہاں کے دل میں کوئی کینہ نہ تھا۔

گورو تیغ بہادر جی کے دل میں شہنشاہ اورنگزیب کے خلاف کوئی کدورت نہ تھی ہاں ہوا یوں کہ کشمیری برہمن گورو تیغ بہادر جی کے پاس ہائے وائے کرتے اور روتے دھوتے آگئے اور فریاد کی کہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور چونکہ وہ اسلام قبول نہیں کر رہے لہٰذا ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ یوں گویا ہندوؤں کی حمایت میں گورو جی کو بغاوت پر ابھارا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بغاوت کے جرم میں شہنشاہ نے ان کا سر قلم کرا دیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہندوؤں نے انہیں گمراہ کرکے اور بدنیتی سے ساتھ جوش دلایا کہ وہ حکومت سے ٹکرا جائیں اور راہی عدم ہوں۔

جہاں تک گورو گوبند سنگھ جی کی بغاوت کا تعلق ہے یہ امر حقیقی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر دور دکن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے' پنجاب کے پہاڑی علاقوں کے چند ہندو راجاؤں نے گورو گوبند سنگھ جی کے قلعہ 'آنند پور' کا محاصرہ کر لیا۔ یہی قلعہ گورو گوبند سنگھ جی کا دارالخلافہ بھی تھا۔ ہندو راجگان گورو گوبند جی کی شان و شوکت اور عزت و آبرو سے جلتے تھے سبب یہ تھا کہ گورو جی نہایت شاندار لباس پہنتے تھے اور نہایت خوبصورت نیلے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ اور ایک باز ہمیشہ ان کے بائیں ہاتھ کی پشت پر براجمان ہوتا تھا۔ جب یہ ہندو راجگان گورو جی کا قلعہ فتح نہ کر سکے تو انہوں نے سرہند کے نائب گورنر سے مدد طلب کی۔ اور بیس ہزار روپے پیشگی ادا کر دئے۔ یوں گویا مغل عساکر اور مغل حکومت گورو گوبند جی کے مسئلے میں در آئی۔ یہ محاصرہ تین سال جاری رہا۔ آخر کار جنگ سے جان چھڑانے کے لئے گورو گوبند سنگھ جی اس شرط پر قلعہ خالی کر دیا کہ محاصرین ان کے تحفظ اور ان کی عافیت کے پابند ہوں گے' لیکن راجاؤں نے عہد توڑ دئے۔ گورو جی کے دو عقیدت مند سرداروں نے جن کا نام نبی خان اور غنی خان تھا انہیں بحفاظت کسی پوشیدہ محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ گورو جی کی پتنی اور دو بچوں کے ساتھ گنگود برہمن نامی ملازم ہولیا تاکہ رہبری کرکے انہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا دے' مگر گنگود برہمن نے گورجی کے کنبے کے جواہرات زیورات اور نقدی چوری کرلی۔ اسی پر بس نہ کیا۔ بلکہ وہ تھانے چلا گیا اور گورو جی کے کنبے کے ضمن میں رپورٹ درج کرا دی۔ اس طرح گورو گوبند سنگھ جی کے بیٹے گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ غداری ان کے برہمن ملازم نے کی تھی۔ گورنر سرہند نے حکم دیا کہ ان دونوں لڑکوں کو دیوار میں چنوا دیا جائے۔ اس پر نواب ملیر کوٹلہ نے شدید احتجاج کیا اور گورنر کے دربار سے احتجاجاً اٹھ کر چلا گیا۔

گوروگوبند جی نے ایک لمبی فارسی نظم قلمبند فرمائی جس کا عنوان ظفر نامہ تھا۔ اس نظم میں اورنگ زیب کو مخاطب کیا گیا تھا جو دکن میں فروکش تھے۔ اس فارسی نظم میں گورو جی نے اپنا دکھ درد بیان کیا' بہ صراحت احتجاج کیا اور گورنر سرہند کی خلاف شکایت درج کی۔ شہنشاہ کو یہ خط پڑھ کر بہت رنج ہوا' لہٰذا انہوں نے ہر درجے کی حکام کیلئے احکام جاری کئے کہ گورو گوبند جی کے ساتھ خوش سلوکی اور مہربانی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی شہنشاہ نے گورنر سرہند کا جواب طلب کر لیا۔ علاوہ ازیں شہنشاہ نے گورو گوبند جی سے فرمائش کی کہ وہ دکن میں آکر ان سے ملیں۔ گورجی نے تعمیل حکم کے طور پر دکن کی راہ لی' مگر قبل اس کے کہ وہ شہنشاہ کے پاس پہنچتے شہنشاہ کا انتقال ہوگیا۔

اورنگزیب عالمگیر کے بعد بھی متعصب اور تنگ نظر ہندو لاہور کے گورنر میر منو کو سکھوں کی خلاف اقدام کرنے پر ابھارتے رہے۔ سکھوں نے میر منو کی ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے لیکن اس سب کچھ کے ذمہ دار میر منو کے ہندو مشیر تھے۔ ایک کا نام لکھ پت تھا اور دوسرے کا نام جسپت تھا۔

تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی اورنگزیب کے بیٹے اور ولی عہد بہادر شاہ کے مخلص معاون تھے۔ جب گورو جی کی وفات ہوگئی تو بہادر شاہ نے ماتمی لباس پہنا اور اپنے معاون کی رحلت پر غم اور دل گرفتگی کا اظہار کیا۔ شہنشاہ کے دل میں گورو گوبند سنگھ جی کے لئے بڑے احترام اور عزت کے جذبات جاگزیں تھے۔

زیندر سنگھ بھلیر کہتے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ جی سے منسوب ایک قول سکھوں میں رائج ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان پر کبھی اعتبار نہ کیا جائے۔ یہ قول سراسر جعلی ہے۔

سکھوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ ان کے کارنامے اور انکے احوال بالعموم ہندو ہی محفوظ رکھتے تھے۔ اور وہ ان کو بہت کم منظر عام پر لاتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ سکھوں اور مسلمانوں کے روابط تقریباً سر تا سر پوشیدہ ہی رہے۔ کم از کم یہ تو حقیقت ہے کہ سکھوں کی حاوی اکثریت ہندو ذہنیت کے زیر اثر رہی۔ زیندر سنگھ جابجا اپنی کتاب میں زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں سکھوں کے توحید پنتھ کی بڑی عزت تھی۔ عیاں ہے کہ سکھ پنتھ کا بنیادی نقطہ توحید خداوندی ہے۔ اصل عقائدی تصادم تو ہندوؤں کے ساتھ تھا جو بتوں کی پجاری تھے۔ اس لئے اگر جھوٹ اور سچ الگ الگ چھانٹ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ہندو ہمیشہ اس امر کے خواہاں رہے کہ وہ مغلوں کے ہاتھوں سکھوں کو نابود کروا دیں۔ سکھ بے چارے سادہ دل اور بھولے لوگ تھے' چنانچہ ہندو انہیں آسانی سے دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے تھے سبب اس کا یہ تھا کہ سکھوں کے ہندوؤں کے ساتھ خونی رشتے تھے۔ وہ باہم شادی بیاہ کرتے تھے۔ تمدنی نقطہ نظر تقریباً ایک سا رہا۔ عادات و رسوم بھی دونوں قوموں میں ایک جیسی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندو اپنے تاریخی رویے کے مطابق ہمیشہ اس بات کے درپے رہے کہ جیسے بھی ممکن ہو' سکھوں کو ہر بہانے کمزور کرکے اپنے اندر جذب کر لیں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ہندو ہمیشہ یہ دعوی کرتے رہے کہ سکھ بھی ایک ہندو فرقہ ہیں۔ اس طرح وہ ہمیشہ سکھوں کے علیحدہ تشخص کا انکار کرتے رہے۔ اور سکھ بچارے ہندو عزائم سے ناآگاہ ہونے کے باعث ہمیشہ ہندوؤں کے دام فریب میں آجاتے رہے۔ اور ہندو انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے

رہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سکھوں کا وطن پنجاب کی سرزمین ہے۔ ان کے تقریباً تمام مقدس مقامات اور ان کی عقیدت کے مرکز پنجاب ہی میں ہیں' لہٰذا ہر وہ امر جو پنجاب کو متاثر کرے' سکھوں پر بھی اثر ڈالتا ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ سکھوں کے ساتھ ساتھ پنجاب لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا وطن بھی تھا اور تاحال ہے۔

جب جمہوری ادارے برطانیہ کے زیر فرمان عمل میں آئے تو اس سے ہندوستان کی تمام قومیتوں کو اپنے علیحدہ علیحدہ تشخص کا شعور حاصل ہوا۔ پنجاب اس سے مستثنیٰ نہ تھا' لہٰذا ٹاؤن کمیٹیوں سے لے کر مرکزی حکومت تک' ہر سطح پر' ہر مذہبی گروہ فطری طور پر خواہاں تھا کہ اپنے وجود کی اہمیت منوائے اور اس امر پر کوئی زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ جمہوری اداروں نے فرقہ وارانہ احساسات کو بڑھایا اور تقویت بھی دی۔ پنجاب میں ہندو ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سکھوں کا تعاون حاصل کر لینے میں' جب چاہتے اور جس سطح پر چاہتے' کامیاب ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے کئی باہمی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف اتحاد قائم کئے رکھا اور اس اتحاد میں سکھوں کے مقابل حاوی مرضی ہندوؤں کی ہوتی تھی۔ یعنی سکھ عموماً وہ کچھ کرتے جو ہندو چاہتے۔ اس کا نتیجہ آگے چل کر بہت المناک ثابت ہوا مسلمانوں کے لیے بھی اور سکھوں کے لئے بھی۔

سکھوں اور مسلمانوں کے مابین سیاسی حقوق کے ضمن میں سب سے بڑا تناؤ ۱۹۳۲ء میں کمیونل ایوارڈ کے اعلان کے وقت نمودار ہوا۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۵ یا ۵۶ فیصد تھی۔ لیکن اس کے باوجود پنجاب اسمبلی میں انہیں نشستیں فقط ۴۹ فیصد دی گئیں جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں بے اختیار کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ وہ محض اپنی حیثیت کے بل بوتے پر وزارت نہیں بنا سکتے تھے۔ انہیں دوسروں کی مدد کا محتاج بنا دیا گیا تھا۔ گویا ان کی اکثریت کو اقلیت میں بدل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کانگریس کے کیمپ میں ہاہا کار مچی اور گاندھی جی نے کمیونل ایوارڈ کو کھلے بندوں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سردار سردول سنگھ کویشر فرماتے ہیں:

"میں نے گاندھی جی کی خدمت میں تجویز کے طور پر عرض کیا کہ ہمیں یہ کہنے کہ بجائے ہم نہ کمیونل ایوارڈ قبول کرتے ہیں اور نہ ہی رد کرتے ہیں' ہمیں چاہئے کہ ہم کہیں ہم بیک وقت قبول بھی کرتے ہیں اور رد بھی کرتے ہیں۔ گاندھی جی کا میری اس تجویز پر جواب یہ تھا کہ میری تجویز کوئی بھلی نہیں لگتی مگر دکھ اس بات کا ہے کہ خود ان کا اپنا عندیہ اتنا ہی مضحکہ خیز تھا۔"

لیکن کمیونل ایوارڈ سے سکھ بہت دکھی ہوئے کیونکہ وہ اپنے آپ کو تعداد کے حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ اگرچہ اس وقت پنجاب میں کل آبادی کا ۱۳ فیصد تھے تاہم انہیں پنجاب اسمبلی میں ۲۰ فیصد نشستیں دی گئی تھیں مگر وہ خوش نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پنجاب میں حق استرداد (ویٹو) انہیں حاصل ہو۔ یعنی جو بات سکھ قوم کو قبول نہ ہو وہ پنجاب میں قانون نہ بنے۔ عددی قوت سے زیادہ اپنی حیثیت کے احساس نے انہیں اس امر پر ابھارا کہ وہ حکومت کے خلاف پنجاب میں ایک زور دار تحریک چلائیں۔ سرگوکل چند نارنگ لکھتے ہیں:

"سکھوں نے ان دنوں مہاراجا رنجیت سنگھ کی سمادھی پر حاضر ہو کر قسم کھائی تھی کہ وہ کمیونل ایوارڈ کو ٹھکانے لگانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے' لیکن اس سوگند کے ولولے میں پہلے دن ہی جان نہ تھی۔ اس لئے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم نے اس ایوارڈ کے بارے میں غیر جانبداری کا رویہ اختیار کر لیا تھا اور مسٹر جناح کو بغیر کسی مخالفت کے مرکزی اسمبلی میں اس ایوارڈ کی تائید میں قرار داد منظور کرانے کی اجازات دے دی تھی۔" (جاری ہے)

بقیہ عظمت و عزیمت

کسی سے بھائی کی خبر نہ ملی۔ مقتول شہیدوں کی لاشیں دیکھیں لیکن بھائی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تب وہ رونے لگیں اور حزنیہ اشعار پڑھے۔ ان کی حالت دیکھ کر تمام مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے۔

بی بی خولہؓ کی حالت دیکھ کر حضرت خالدؓ نے ارادہ کیا کہ اسی وقت رومیوں پر دوبارہ حملہ کریں لیکن اسی وقت کئی رومی مسلمانوں کے پاس آئے اور کہا کہ "ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ سب رومی ختم ہو کر رہیں گے اس لئے ہم پناہ طلب کرنے آئے ہیں" حضرت خالدؓ نے ان کو امان دے کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ انہی سے پتہ چلا کہ حضرت ضرارؓ کو وردان نے ایک سو سواروں کے ساتھ حمص روانہ کردیا ہے حضرت خالدؓ نے رافعؓ بن عمیر کو ایک سو سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب کی ہدایت کی کیونکہ وہ اس علاقے کے راستوں سے خوب واقف تھے۔ بی بی خولہؓ نے بھی نبی اکرمؐ کا واسطہ دے کے ان کے ساتھ جانے کی اجازت لے لی۔

حضرت رافعؓ رومیوں کے قدموں کے نشانات پر چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ راستہ کاٹ کر آگے نکل گئے اور ایک کمین گاہ میں چھپ گئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ رومی دستہ آن پہنچا جنھوں نے حضرت ضرار کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ بلند آواز سے اپنی کیفیت کے مطابق حزنیہ شعر پڑھ رہے تھے۔ کمین گاہ تک آواز پہنچی تو حضرت خولہؓ نے کہا:

"بھائی فکر نہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا سن لی۔ میں تمہاری بہن خولہؓ ہوں"

اس کے ساتھ ہی زور سے تکبیر کہی اور حملہ کردیا باقی مسلمان بھی آگے بڑھے ایک ایک مسلمان کے حصے میں ایک ایک رومی آیا چنانچہ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ رومیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ بی بی خولہؓ نے بھائی کی رسیاں کھولیں اور مسلمان مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ اسی دوران انہوں نے دیکھا کہ رومی بھاگتے چلے جارہے تھے۔ آپ نے انہیں گرفتار کرنا شروع کردیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت رافعؓ کو حضرت ضرارؓ کی رہائی کے لئے روانہ کیا اور خود رومیوں پر ایسا سخت حملہ کیا جیسے کوئی شخص طلب شہادت کے لئے بے قرار ہو۔ اس جان توڑ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ رومی لشکر جو اہل دمشق کی مدد کے لئے مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا' دم دبا کر بھاگ نکلا۔ ان کا سردار وردان بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ حضرت رافعؓ بن عمیر اور خالد بن ولیدؓ بے شمار قیدی اور بے پناہ سامان غنیمت لے کر دمشق پہنچے اور سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ کو حضرت ضرارؓ اور ان کی بہن خولہ بنت ازورؓ کی داستان حریت سنائی

تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہ واقعات آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں کہ ہم اپنی زندگیاں اللہ کی نذر کردیں تو۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

آپ کا ارسال کردہ مجلہ "ندائے خلافت" کا شمارہ نمبر۱۰ مورخہ ۶ اپریل ۹۲ء ملا شکریہ! الحمد للہ آپ نے میرا خط شائع فرما کر قارئین کی توجہ میری کمزوریوں کی طرف مبذول فرمائی ہے۔ ہوسکتا ہے اس طرح معاونین تحریک میری حوصلہ افزائی کا ذریعہ بن جائیں۔ میرا نام "محمد مصلح الدین" نہیں ہے جیسا کہ شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ بہتر ہوگا اگر ہر شمارہ کا پروف بغور پڑھ لیا جائے۔ تاکہ کتابت کی غلطی کا امکان نہ رہے۔

آپ کے زیر نظر شمارہ میں جناب ظفر انجم مسیحی نیشنل چرچ آف پاکستان لاہور کا ایک طویل خط پڑھا۔ چونکہ موصوف نے اپنے خط کا جواب بذریعہ "ندائے خلافت" طلب کیا۔ اس لئے یہ بندہ حاضر خدمت ہے۔

پاکستان کی مسیحی برادری کے کسی ممبر نے آج تک مسلمان قوم کے بارے کسی قسم کے دکھ اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ آخر ظفر انجم مسیحی صاحب کو کیوں دکھ اور پریشانی کا اظہار مسلمانوں کے بارے میں کرنا پڑا۔ ہوسکتا ہے کبھی وہ اسلام کے قریب تاک لگائے بیٹھے رہے ہوں۔ آج وہ مسیحت کی مچان پر بیٹھ کر مسلمان قوم کی کمزوریوں کی نشان دہی کر رہے ہیں' خصوصاً قرآن مجید کے بارے میں کہ عوام الناس کی کثرت اس سے نابلد ہے۔ خدا جانے موصوف کے ہاتھ کونسا مسلمان لگا کہ وہ قرآن مجید سے نابلد ہے۔ ان کی یہ رائے تعصب پر مبنی ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی تفسیر یہ بکھری ہوئی کائنات ہے جس کا مشاہدہ ہر ذی شعور انسان کرتا ہے۔ رائی کے برابر بھی دل میں ایمان ہو تو قرآن مجید کو سینے سے ہی لگانے پر قلب روشن ہوجاتا ہے۔ موصوف تو جانتے ہی ہونگے کہ ہاتھ کی انگلیاں برابر نہیں۔ یہ ساری کائنات بھی ایک شکل اور رنگ کی نہیں' ہر انسان کا مزاج مختلف! کاش کہ ظفر انجم مسیحی صاحب اپنی آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر ماہ رمضان المبارک میں ہماری مسجدوں کو عشاء کے وقت دیکھ لیتے کہ کس قدر لگن اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا اور سنایا جارہا ہے کثرت یا قلت کو خود دیکھ لیتے امت محمدیہ میں باقی تمام امتوں کے مقابلہ میں قرآن مجید کے زیادہ حفاظ ہونگے۔ کیا آپ کو انجیل مقدس زبانی یاد ہے؟ اول تو وہ اصلی زبان میں موجود ہی نہیں۔ اس کے تراجم موجود ہیں اور وہ بھی عیسائیت نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لئے ہیں۔

اب موصوف کا یہ اعتراض کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے لئے داعی کہلانا مناسب نہیں' جو لاعلمی پر مبنی ہے۔ آپ شاید نہ جانتے ہوں کہ ہمارے پیارے رسولؐ سب جہانوں کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس سے پیشتر سب رسولؑ اور نبیؑ اپنی اپنی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لائے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف! آپؐ کے اصحاب کے ذمہ دو کام تھے ایک آپؐ کی حفاظت اور دوسرے دین اسلام کی حفاظت آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دین کی اشاعت اور تبلیغ کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ڈال دی گئی۔ اب ہر وہ مسلمان جو علم دین رکھتا ہو' داعی اسلام ہے۔ اس پر فرض ہے کہ غیر مسلم کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب داعی کہلانے کے مستحق ہیں

آپ کو اور آپ کے رفقاء کار کو ورلڈ کپ جیتنے کی عظیم کامیابی پر خلوص دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ درحقیقت پاکستان قوم ہی کی نہیں بلکہ ایشیائی اور خصوصاً برصغیر کے عوام کی کامیابی ہے جو انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں اور اس کامیابی سے ظاہر ہوگیا کہ پاکستانی قوم میں جذبہ حب الوطنی کس حد تک قائم ہے۔ اور وہ گوروں سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ پھر جان میجر وزیر اعظم برطانیہ کے اپنی کرکٹ ٹیم کو دلاسہ دینے والے الفاظ اور اس کشمکش کو اجاگر کرتے ہیں۔ کاش پاکستانی ملت نفاذ شریعت اسلامی کے لئے بھی اپنے چیمپئن نواز شریف کی کامیابی کے لئے دعا کرے کہ وہ آج کل عمرہ کی سعادت کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اس میں اکثریت اور اقلیت دونوں کی فلاح اور کامیابی ہے۔ میں نے سابقہ خط کے ہمراہ چند مذہبی کتب ارسال کی تھیں صرف اس لئے کہ آپ کو یہ بتایا جاسکے کہ مسیحی مشنری ادارے بغیر طلب کے لٹریچر فراہم کرتے ہیں۔ اور ہمارے بھائی مسلمان طلب پر تو کجا اپنے مذہبی لٹریچر کو اس قدر گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں جو عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ہزاروں کی تعداد میں انجیل مقدس آپ کو بھجوا دی جائیں لیکن قرآن فاؤنڈیشن ایک نسخہ قرآن بھی کسی کو تحفتہً نہیں دیتی جبکہ یہ زکوٰۃ صدقات اور خیراتی فنڈ کثیر تعداد میں حاصل کر رہی ہے۔ یہی حال دنیا بھر کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم رابطہ عالم اسلامی مکہ، موتمر عالم اسلامی (ورلڈ مسلم کانگریس) صدیقی ٹرسٹ کراچی اور جماعت اسلامی وغیرہ کا ہے۔ خدارا نوجوان نسل کے لئے اسلامی لٹریچر عام کیجئے جس قدر پیسے فضول خرچی تقریبات اور بے کار کاموں پر ہوتی ہے اس کے دسواں حصہ بھی نیکی اور بھلائی میں سو گناہ اضافہ کریگا۔ خلافت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے شخصیت پرستی اور نام و نمود مشکل پیدا کریگا یا تعصب کو ہوا دیگا۔ آخر میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے آپ کے جملہ رفقاء کار اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو عید الفطر کی دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

چند ایام کے لئے ملک سے باہر جارہا ہوں۔ "ندائے خلافت" مجھے ملتا رہے گا' اس کا انتظام کر لیا ہے۔ میرے خطوط کے کسی لفظ سے بھی آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو معذرت طلب ہوں۔ جواب کا آپ کے موقر جریدے کی وساطت سے منتظر ہوں۔

آپ کا مخلص.... ظفر انجم مسیحی

ہمارے معاون تحریک خلافت اور فاضل مکتوب نگار کا گلہ سر آنکھوں پر لیکن دستخط سے کوئی بھی نیا نام پڑھنے میں غلطی کا صدور بعید از امکان نہیں۔ اس بار بھی علیحدہ سے انہوں نے اپنا اسم گرامی تحریر نہیں کیا تاہم دستخط واضح ہیں لہٰذا گمان غالب ہے کہ اب ان کا نام درست طبع ہوا ہے۔ ہمارے دوست نے جس مسیحی کرم فرما کے خط کا جواب دینے کی کوشش کی ہے' ان کا تازہ مکتوب علیحدہ چوکھٹے میں دیا جارہا ہے۔ یہ صاحب چٹکیاں بھرنے کی بڑی مشق رکھتے ہیں۔ ہمیں تختہ مشق بنانے میں ان کی نیت کیا ہے' اس کا بھی اظہار اگرچہ بین السطور ہوتا ہے تاہم مسلمان اسے عبرت کا تازیانہ ہی سمجھیں تو بہتر ہے۔ ان کی یہ خواہش پوری کرنے سے ہم معذرت چاہتے ہیں کہ ان کے خطوط کے جوابات "ندائے خلافت" میں دئے جائیں کیونکہ اس میں ہمیں خیر کا پہلو غالب نظر نہیں آتا۔ وہ افہام و تفہیم کی خواہش رکھتے ہیں تو ہم سے براہ راست رابطہ قائم کریں یا اسی کا موقع ہمیں عنایت فرمائیں... (مدیر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

کیونکہ وہ مسلمان قوم کو نظام خلافت قائم کرنے کے لئے محترک کررہے ہیں ۔ خلافت کے بعد ملوکیت اور ملوکیت کے بعد اب سلطانی جمہور کا زور ہے۔ دنیا سے نظام خلافت کے غائب ہوجانے سے کفر خندہ زن رہا ۔ اور اب تک خندہ زن ہے۔ کفر نے مغربی جمہوریت کا تحفہ دیا تھا جو " مسلمان" نے بھی خوشی خوشی قبول کرلیا اور یوں وہ " ایک حمام میں سب ننگے" کے مترادف نظر آنے لگا ۔ شاید موصوف کو خلافت کا سن کر خوف محسوس ہونے لگا ہے اور مسلمانوں کی کمزوریوں کی نشاں دہی فرما کر ان کی اصلاح کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ایک شخص کا پختہ ایمان ہو کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو وہ مسلمان ہی کہلائے گا۔ کیا خوب ہو کہ محترم ظفر انجم مسیحی صاحب مسلمانوں کی کمزوریوں کو ٹٹولنے کی بجائے دین اسلام کو قبول کرلیں' اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لے آئیں اور اپنی اخروری زندگی سنوار لیں ۔ اللہ تعالیٰ نے **تثلیث** کو جس پر قوم نصاریٰ قائم ہے' ظلم عظیم اور حرام قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ واحد اور لاشریک ہیں اور صرف وہی قولی ' مالی اور بدنی عبادت کے لائق ہیں

محترم انجم مسیحی صاحب! جب عیسائیت اور اسلام کا راستہ جدا جدا ہے تو پھر ہم اور آپ ایک ہی منزل کے ہمسفر کیسے ٹھہرے ؟ آپ کسی نہ کسی طرح جاہل مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں ورنہ مسلمانوں کو آپ کا مشورہ چہ معنی دارد؟ مسلمان کو سچا مسلمان بنانے کے لئے نظام خلافت کو زندہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ان شا اللہ تعالیٰ ضرور زندہ ہوگا ۔ زندہ ہوا تو حق دنیا پر چھا جائیگا اور باطل بھاگتا نظر آئے گا ۔ ہماری عبادتگاہوں اور اپنی عبادت گاہوں کا مقابلہ تو کریں ۔ آپ لوگ اپنے گرجوں میں جوتی سمیت ہی داخل ہوجاتے ہیں۔ یہ عبادت گاہ نہ ہوئی' کوئی ہوٹل ٹھہرا۔ صرف تقابل کی وجہ سے یہ کہنا پڑا ورنہ میں تو ایمپرس روڈ پر گرجا میں اپنی جوتی اتار کر داخل ہوا تھا اور وہاں کے پادری جوتی سمیت ہی داخل ہوگئے ۔ بہرحال میرے لئے غیرمذاہب کی عبادت گاہیں بھی قابل احترام ہیں ۔

آپ کے اسم گرامی "ظفر انجم " کے ساتھ لفظ "مسیحی " ہم وزن نہیں آپ پرانے عیسائی ہیں یا تازہ تازہ ہوئے ہیں ؟ آپ نے یہ ذکر بھی نہیں کیا کہ Catholic ہیں یا Protestant!

میں اپنے خط کا جواب نہیں لینا چاہتا

محمد رفیع الدین گجرات

پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا اور اس کا مقصد قیام نفاذ اسلام تھا لیکن ہم نے اپنی بد کرداریوں اور بد عملیوں سے اس کو تباہی کے غار کے دہانے پر لا کھڑا کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ شرک و نفاق کی وجہ سے ہم "علی شفا حفرة من النار " کے مصداق بھی بن چکے ہیں اور اب ہماری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں!

ان حالات میں کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم بھی دوسری جماعتوں اور انجمنوں کی طرح عید ملن کی تقریب منعقد کریں جس کا اعلان آنجناب نے نماز عید کے موقعہ پر فرمایا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ۔ چنانچہ اسلام کا درخشاں تریں دور یعنی خلفائے راشدین کا دور اس سے خالی نظر آتا ہے ۔ عید کارڈ کی طرح عید ملن بھی غیر مسلموں کی ایجاد ہے ۔ ہم تحریک چلا رہے ہیں خلافت کی لیکن پیروی کررہے ہیں غیر مسلموں کی ۔ عید ہمارے لئے نوید مسرت نہیں پیام ماتم ہے ۔

(ڈاکٹر) محمد عثمان ۔ لاہور

KHALID TRADERS
IMPORTERS—INDENTORS—STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER—SMALL TO SUPER—LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

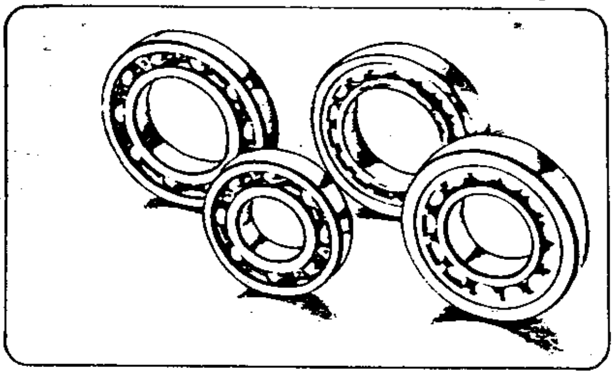

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING